ISSN: 2321-8339

اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۲۲ء

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اسلام کا شورائی نظام۔ دورِ خلفائے راشدین کے بعض اہم واقعات

مولانا سید جلال الدین عمری

عبداللہ یوسف علی کے گم راہ کن انگریزی ترجمۂ قرآن کے عواقب

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

مغربی ممالک کا نظامِ طلاق

مولانا کمال اختر قاسمی

تفسیر عروۃ الوثقیٰ۔ مطالعہ و جائزہ

ڈاکٹر محمد زوہیب حنیف

سماعِ موتی۔ ایک علمی بحث

پروفیسر محمد سلیم قاسمی

تعارف و تبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدّد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امام انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔ مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۲۲ء

مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد:۴۱ شمارہ:۴

ربیع الاول ــــــــ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ

اکتوبر ــــــــ دسمبر ۲۰۲۲ء

- مجلّہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:
- موبائل: +91-9897746586
- ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com
- اکاؤنٹ نمبر: Tahqeeqat-e-Islami, Union Bank of India

Muslim University, Aligarh

A/. No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک		برائے پاکستان	
فی شمارہ	۵۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ	۲۰۰ روپے	سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر
		برائے دیگر ممالک	
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (لائبریریاں واِدارے)	۳۰۰ روپے	سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر اشہد جمال ندوی نے بھارت آفیسٹ، دہلی۔۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

اسلام کا شورائی نظام۔ دورِ خلفائے راشدین کے بعض اہم واقعات	مولانا سید جلال الدین عمری	5

تحقیق وتنقید

عبداللہ یوسف علی کے گم راہ کن انگریزی ترجمۂ قرآن کے عواقب	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۲۷
مغربی ممالک کا نظامِ طلاق	مولانا کمال اختر قاسمی	۴۱

بحث ونظر

تفسیر عروۃ الوثقیٰ ۔ مطالعہ و جائزہ	ڈاکٹر محمد زوہیب حنیف	۶۱
سماعِ موتی ۔ ایک علمی بحث	پروفیسر محمد سلیم قاسمی	۷۹

تعارف وتبصرہ

قرآنی علوم کا ارتقاء۔ عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں	ڈاکٹر ابوسعد اعظمی	۹۵
اہم عصری مسائل۔ تجزیہ اور حل	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	۹۷
بدھ ازم اور صائبین	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۱۰۰
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ	مولانا محمد صادر ندوی	۱۰۲

رپورٹ سمینار

مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار و آثار	مولانا محمد صادر ندوی	۱۰۵
خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۸۵)	ادارہ	۱۱۳
سالانہ فہرست سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ ۲۰۲۲ء		۱۱۷۔۱۲۰
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱ – ۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱- پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

اعزازی ڈائرکٹر، خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

Sulaim_05@yahoo.co.in

۲- مولانا کمال اختر قاسمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ

kamalakhtarq@gmail.com

۳- ڈاکٹر محمد زوہیب حنیف

اسپیشلسٹ اسلامیات، آغا خاں یونی ورسٹی اگزامنیشن، کراچی، پاکستان

zaibizohaib26@com

۴- ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

پروفیسر شعبۂ دینیات (سنّی)، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

msaleem196330@gmail.com

۵- ڈاکٹر ابوسعد اعظمی

رکن ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ

anisislahi@gmail.com

۶- ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

ziauddin.malik.falahi@gmail.com

۷- مولانا محمد انس فلاحی مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

anasfalahi@gmail.com

۸- مولانا محمد صادر ندوی

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ

sadiralam943@gmail.com

۹- مولانا سید جلال الدین عمری

سابق صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرفِ آغاز

اسلام کا شورائی نظام

دورِ خلفاءِ راشدین کے بعض اہم واقعات

______________مولانا سید جلال الدین عمری

مولانا سید جلال الدین عمریؒ 'اسلام کا شورائی نظام' کے عنوان سے اپنی قدیم تحریر پر نظر ثانی کر رہے تھے اور وہ قسط وار 'تحقیقات اسلامی' میں شائع ہو رہی تھی۔ اب اس کی آخری قسط یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ (مدیر)

مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

حضرت ابوبکرؓ کے دو فیصلوں کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بارے میں انہوں نے اہلِ شوریٰ کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا اور اپنی انفرادی رائے کو ان کی رائے پر ترجیح دی۔ ان میں سے پہلا واقعہ مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کا ہے۔ اس کی جو تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کا فیصلہ حضرت ابوبکرؓ کا ذاتی فیصلہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے چاروں طرف ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان مرتد قبائل میں بعض وہ قبیلے تھے جنہوں نے صاف صاف دین اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینک دیا، بعض نے زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کیا اور بعض نے اس کے فرض ہونے سے تو انکار نہیں کیا، البتہ ادائیگیٔ زکوٰۃ سے مکر گئے۔

ان تینوں ہی طبقات کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے علَمِ جہاد بلند کرنا چاہا۔ پہلے

گروہ کے بارے میں صحابہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، لیکن دوسرے اور تیسرے گروہ کے خلاف تلوار اٹھانے میں بعض صحابہ کو پس و پیش تھا، جن میں حضرت عمرؓ کی ذاتِ گرامی سب سے آگے تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کلمۂ توحید کا اقرار کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے اور یہ منکرینِ زکوٰۃ کلمۂ توحید کا تو اقرار کررہے ہیں اور دعوائے اسلام پر قائم ہیں پھر کیسے ان کے خلاف قوت استعمال کی جائے؟ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا:

كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا الٰه الا اللّٰه ، فمن قالها فقد عصم منّى ماله ونفسه الّا بحقّه وحسابهم على اللّٰه۔[۱]	آپ ان لوگوں سے کیسے جہاد کرسکتے ہیں؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ کلمۂ توحید کا اقرار کرلیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیا، سوائے اس کے کہ اسلام ہی کا حق ان کی جان و مال کا مطالبہ کرے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ مجرد کلمۂ توحید کا اقرار کافی نہیں ہے، بلکہ اپنی جان و مال کے تحفظ کے لیے اس کے دو اہم تقاضوں کی تکمیل بھی ناگزیر ہے، جن میں سے ایک نماز ہے، جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نفسی و جانی احسانات کا حق ہے اور دوسرا تقاضا زکوٰۃ ہے، جو اللہ کے عطا کردہ مال کا حق ہے۔ ان دونوں کی اہمیت ایک سی ہے، لہٰذا ان دونوں کو کسی صورت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے ہمیشہ ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ جس طرح نماز کے منکرین کے خلاف جہاد کیا جائے گا، اسی طرح زکوٰۃ کے مانعین کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا، دونوں کے درمیان تفریق کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔

ابن قتیبہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کے حق میں آں حضرت ﷺ کی حدیث بھی پیش کی تھی۔[۲] جس میں تصریح کی گئی ہے کہ جان و مال کی ضمانت نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے۔

۱۔ رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ

۲۔ الامامۃ والسیاسۃ: ج۱ص۱۷

ان دلائل کے سامنے آنے کے بعد حضرت عمرؓ بے اختیار بول اٹھے: ''اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے سینے کو کھول دیا ہے اور اب میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ ہی کی رائے برحق ہے۔ وہ فرطِ مسرت سے بے اختیار حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ کو بوسہ دینے لگے۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی انفرادی رائے پر عمل نہیں کیا تھا، بلکہ دلائل کی قوت سے دوسروں کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔

جیشِ اسامہؓ

دوسرا واقعہ جیشِ اسامہؓ کی روانگی سے متعلق ہے، جس کے بارے میں بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اہل الرائے کے مشورہ کو ٹھکرادیا اور اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا۔ یہ غلط فہمی تاریخ سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوئی ہے۔

جیش اسامہؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے نہیں، بلکہ آں حضرت ﷺ نے ترتیب دیا تھا،لیکن اس لشکر کو اپنی مہم پر بھیجنے سے قبل آپ کی رحلت کا سانحہ پیش آ گیا اور حضرت ابوبکرؓ کو بارِ خلافت سنبھالنا پڑا۔

ملک کے حالات کے پیش نظر صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو محاذ جنگ پر نہ بھیجا جائے اور اس جنگی قوت سے ملک کے داخلی ہنگاموں کو فرو کرنے میں مدد لی جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسے مؤکد کام کی تعمیل سے باز آتے، یا کم ازکم مؤخر کردیتے جس کے سرانجام دینے پر نبیؐ نے مرض الموت میں بھی بار بار زور دیا ہو۔ چنانچہ جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے اس مہم کو روکنے کی درخواست کی تو آپ نے جواب دیا: ''اگر سارا عرب اسلام سے منحرف ہوجائے اور ان کے مقابلے کے لیے سوائے میرے اور کوئی باقی نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آ سکتا، خواہ اس کے نتیجے میں مجھے پرندے نوچ کر کیوں نہ کھا جائیں۔''

حضرت ابوبکرؓ کی اس پُرعزم تقریر سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے حقیقت

حال منکشف ہوگئی اور وہ مطمئن ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کے اس مطالبے کا تذکرہ کیا کہ فوج کے کمانڈر اسامہ بن زیدؓ کو بدل کر کسی دوسرے بلند مرتبہ اور تجربہ کار شخص کو قیادت سونپی جائے، کیوں کہ معزز اور بزرگ حضرات ایک نوجوان اور غلام زادے کی قیادت کو اپنے لیے باعثِ توہین اور خلافِ وقار محسوس کریں گے۔ لیکن اس کی تعمیل بھی حضرت ابوبکرؓ کے لیے ناممکن تھی، کیوں کہ اس نوجوان قائد کا انتخاب بھی خود آں حضرتؐ نے کیا تھا اور ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق آں حضرتؐ کے اس انتخاب پر منافقوں نے طعن وتشنیع بھی کی تھی۔[۳] لیکن اس کے باوجود آپؐ نے اسامہؓ ہی کو قائد منتخب کیا اور تنقید کرنے والوں سے خطاب کرکے کہا:

إن تطعنون فی إمارته فقد كنتم تطعنون فی إمارة أبيه من قبل ، وأيم الله وإن كان لخليقاً للأمارة ، وان كان لمِن أحبّ الناس إلىَّ ، وإن هذا من أحبّ الناس إلىّ بعده۔[۴]	اگر تم اسامہ کی امارت پر طعن کرتے ہوتو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی تنقید کی تھی، حالاں کہ بخدا اس کا باپ امارت کا اہل تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد اس کے بیٹے سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔

خاندانی شرف کو اہلیت وعدم اہلیت کا معیار قرار دینا اور نبی اکرم ﷺ کے طے کردہ فیصلے پر طعن وتشنیع کرنا سوائے منافقین کے اور کس کا کردار ہوسکتا ہے؟ اس ذہنیت کی اصلاح بہت ضروری تھی۔ انسانوں کے درمیان بلندی اور پستی کے جھوٹے معیارات کو اسلام ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے نزدیک کسی معروف خاندان سے تعلق رکھنا، کسی متموّل باپ کی اولاد ہونا وجہِ شرف نہیں ہے، بلکہ اس کی نظر میں عزت وبرتری کا تعلق انسان کی ذاتی صلاحیت اور اس کے حسنِ عمل سے ہے۔ اس پر اعتراض یا تنقید اسلام کے اس اصول سے متصادم تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس ذہن کو بدلا اور اسے صحیح

۳۔ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۱۸۹

۴۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبیؐ اسامۃ بن زید فی مرضہ۔

رخ عطا کیا۔ آپ کے جانشین کا بھی فرض تھا کہ اسے اُبھرنے نہ دے اوراس کی اصلاح کرے۔ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔

جس وقت صحابہ کے دل و دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فوج اسامہؓ کی قیادت پر شائد مطمئن نہ ہو، اس لیے ان کی جگہ اکابر صحابہ میں سے کسی اور کو منتخب کیا جائے اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے حضرت ابوبکرؓ تک یہ بات پہنچائی تو وہ طیش میں آ گئے اور فاروق اعظمؓ سے کہا:

ثکلتک أمّک وعدمتک یا إبن الخطاب استعمله رسول الله ﷺ وتأمرنی أن أنزعه۔۵	اے ابن خطاب! تیری ماں تجھے گم کردے۔ رسول اللہؐ نے اسے قائد مقرر کیا ہے اور تم مجھے اسے برطرف کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کے سامنے ایک طرف بعض اصحاب کے مطالبات تھے اور دوسری طرف اسلام کے اصول اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایات تھیں۔ اس صورت میں ان کے لیے دوسرا پہلو اختیار کیے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جب حقیقتِ حال واضح ہوگئی تو مومنین صادقین نے حضرت ابوبکرؓ کی نہ صرف موافقت کی، بلکہ دل و جان سے آپ کا ساتھ دیا۔

ارضِ سواد کی تقسیم

اسلامی قانون کے مطابق جو اشیاء اسلامی فوج کے قبضے میں آ جائیں انہیں سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا اور آپ نے مالِ غنیمت اسلامی فوج کے درمیان تقسیم کر دیا، لیکن زمین کے متعلق یہ رائے دی کہ وہ تقسیم نہ کی جائے، بلکہ ملکی ضروریات کی تکمیل کے لیے اسے ریاست کے قبضے میں رکھا جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کی رائے کی تائید کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور بلال رضی اللہ عنہما نے اس رائے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ زمین اور مال دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے۔ جب مال تقسیم کر دیا گیا تو زمین کی تقسیم کے بارے میں کوئی وجہ مانع نہیں ہوسکتی۔ امام زہریؒ کے قول کے مطابق عام لوگ

۵۔ الصدیق، تالیف محمد حسین ہیکل، ص ۱۰۳

شروع میں ان ہی بزرگوں کے ہم خیال تھے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ قرآن کے بیان کے مطابق بعد میں آنے والی نسلوں کو بھی اس مال سے حصہ ملنا چاہیے۔ اگر آج یہ فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تو ان کی اولاد اس کی وارث ہو جائے گی اور عام لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے، علاوہ ازیں آئے دن ریاست کو بہت سی ایسی ضروریات پیش آتی رہتی ہیں جن کی تکمیل مال کے بغیر ناممکن ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کے اس استدلال کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ مستقبل کے موہوم خطرات کو سامنے رکھ کر ان جان بازوں کو محروم کرنا صحیح نہ ہوگا جنھوں نے اپنی جانیں جوکھم میں ڈال کر عراق فتح کیا ہے۔

بہرحال حضرت عمرؓ کی شوریٰ میں کئی دن تک یہ بحث جاری رہی اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی، جس کے بعد حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار کے نمائندوں کو طلب کیا اور ان کے روبرو ایک جامع ومانع تقریر کی جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ کی رائے پیش کی اور اپنی رائے بھی دلائل کے ساتھ نمائندوں کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اگر ملک کے لیے مستقل آمدنی کے ذرائع مسدود ہو جائیں تو ملک مشکلات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، اس لیے ضروری ہے کہ مقبوضہ زمین مملکت کے قبضہ میں رہے اور اس کے قدیم باشندوں ہی کو بٹائی پر کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے دلائل سے قوم کے نمائندے مطمئن ہو گئے اور آپ کی رائے کی توثیق کی۔

اسی نمائندہ مجلس میں آپ نے یہ مسئلہ بھی اٹھایا کہ کس شخص کو ان مقبوضہ زمینوں کا نگراں مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کا مشورہ دیا اور وہ نگراں مقرر کیے گئے۔[۶]

انسدادِ فتنہ کے لیے شوریٰ

حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں ملک کے چاروں طرف فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اٹھے اور مختلف علاقوں سے بدامنی اور انتشار کی اطلاعات مسلسل مرکزِ خلافت پہنچنے

۶۔ یہ تفصیل امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کے مختلف مقامات سے لی گئی ہے۔

لگیں۔ان نازک حالات میں بھی خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ نے جمہوریت کی روح کو کوئی صدمہ پہنچنے نہیں دیا۔حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لیے آپ نے اہل مدینہ کو مدعو کیا اور مرکزِ خلافت کو پہنچنے والی اطلاعات کے اسباب وعلل کی تحقیق کی کوشش کی۔اس وقت حضرت عثمانؓ اہل مدینہ سے فرماتے ہیں: ''أنتم شركائي وشهود المؤمنين، فأشيروا عليّ۔''یعنی چوں کہ آپ حضرات اہل ایمان کے نمائندے اور ان کے سردار ہیں،اس لیے میرے شریکِ کار ہیں اور خلافت کی ذمہ داری میں ہم سب شریک ہیں، لہٰذا ہم سب کو مل جل کر اس معاملہ کے صحیح اسباب کی چھان بین کرنی چاہیے۔پس آپ اپنے مشوروں سے میرے اس کام میں مدد کریں،تا کہ میں کوئی اقدام کرسکوں۔

اہل مدینہ نے جب آپ کو مشورہ دیا کہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے مرکز خلافت سے بعض باصلاحیت افراد کو مختلف مراکز میں بھیجنے کی ضرورت ہے تو آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور مختلف اشخاص کو مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا۔ایک مصری عالم صادق ابراہیم عرجون لکھتے ہیں:

وقد جعل من أهل المدينة، وهم سادة الأمة وأعلامها وفيهم أعضاء مجلس شوریٰ عمر بن الخطاب المرشّحون للخلافة مجلساً نيابياً له حق الرقابة على أعمال السلطة العليا في الدولة، وقد دعم هذه الرقابة بقوله لهم أنتم شركائي وشهود المؤمنين فاشيروا عليَّ، وقد أخذ بمشورتهم وعمل برأيهم۔ ۷

حضرت عثمانؓ نے اہل مدینہ کی ایک نمائندہ مجلس بنائی۔ یہ وہ لوگ تھے جو امت کے سردار اور عمائدین تھے اور ان ہی میں حضرت عمرؓ کی شوریٰ کے ارکان اور خلافت کے اہل اشخاص شامل تھے۔ اور آپ نے اس مجلس کو سلطنت کے تمام اہم معاملات کی نگرانی کا حق عطا کیا اور آپ نے اس اختیار کو اپنے اس قول سے نہایت قوی کردیا کہ تم میرے شریک وحصہ دار اور اہل ایمان کے نمائندے ہو،لہٰذا مجھے اس معاملہ میں مشورہ دو۔ پھر آپ نے ان کے مشورہ کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا۔

خلفاء راشدین کے دور کے یہ چند نمایاں واقعات تاریخ کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔ان میں آمریت کی جگہ شورائیت پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ فرما

۷۔عثمان بن عفان: ص ۹۹

نظر آتی ہے۔ ان واقعات میں سے کسی بھی واقعہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں شورائیت مجروح ہوئی ہے۔ خلیفہ کے انتخاب سے لے کر دیگر تمام اساسی امور میں جمہوریت کے حسین رخسار پر آمریت کی ذرّہ برابر پرچھائیں کہیں نظر نہیں آتی۔

امیر ریاست کے حدود واختیارات

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں مشورہ کرنا اور اس کی پابندی کرنا ضروری ہے، یا وہ کسی قدر آزاد بھی ہے؟ آزاد ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟ اس کی طرف کتاب کے آغاز ہی میں اشارات کیے جاچکے ہیں۔ اس وقت کسی قدر تفصیل سے اس پر گفتگو کی جارہی ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلامی مملکت کا امیر نہ تو تاجِ برطانیہ کی طرح محض علامتی سربراہ ہوتا ہے اور نہ اسے مسولینی اور ہٹلر کی طرح آمرِ مطلق کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے تمام معاملات کی طرح اس میں بھی افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل اور متوسط راہ اختیار کی ہے۔ وہ نہ تو کسی فرد واحد کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور دے دیتا ہے کہ جس طرف چاہے اسے ہانکتا پھرے اور اس پر گرفت کرنے والی کوئی بالا دست طاقت نہ ہو اور نہ وہ اسے درست قرار دیتا ہے کہ حاکم برائے نام تختِ سلطنت کی زینت بنا رہے اور اقتدار کی کنجیاں کسی دوسرے فرد یا افراد کے ہاتھ میں ہوں۔

اسلام کے نزدیک حکومت واقتدار کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور قانون سازی اور حکم رانی بلاشرکتِ غیر اسی کا حق ہے۔ جو گروہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کو تسلیم کر لیتا ہے اس کا ایک ایک فرد اس کے اس حق کا امین اور پاسبان قرار پاتا ہے۔ اس امانت کی حفاظت اور نگرانی پوری امت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ امانت ضائع کر دی گئی تو امت کا ہر فرد اصل مالک کے رُو برو جواب دہ ہوگا۔ لیکن چوں کہ اجتماعی نظم کے بغیر ملک وملت کا تحفظ اور ارتقا ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کا وجود وبقا بھی ناممکن ہے، اس لیے امت پر بہ حیثیت مجموعی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس امانت کو کسی ایسے شخص کے حوالے کرے جو امت میں صالحیت اور صلاحیت کے لحاظ سے نمایاں ہو، جس پر امت کو اعتماد ہو اور جس کے پختہ کردار نے اپنے آپ کو یہ عظیم بار اٹھانے کا اہل ثابت کر دیا ہو،

تا کہ یہ شخص امت کے اجتماعی کاموں کو اس احساس کے ساتھ سرانجام دے کہ ساری امت جس امانت کی حامل تھی وہ اس کے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت وسربلندی، اس کے بے شمار بندوں کی اصلاح وتربیت اور ان کی غم خواری و دم سازی کی عظیم ذمہ داریاں امت نے اس کے حوالے کردی ہیں اور وہ ان کے ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا تو اس دنیا سے جانے کے بعد اپنے مولیٰ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا اور اس دنیا میں بھی امت کا بچہ بچہ اپنی امانت کے سلسلہ میں اس سے باز پرس کرسکتا ہے اور پوچھ سکتا ہے کہ جن امور میں امت نے تمہیں اپنا معتمد قرار دیا تھا ان کی کہاں تک تم نے تکمیل کی اور اگر نہیں کی تو کیوں نہیں کی۔

اس تصور سے دو قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں:

پہلا یہ کہ اسلامی ریاست کا صدر ایک ذمہ دار، بااثر اور مقتدر شخص ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہوگی کہ امت کو صلاح وفلاح کی راہ پر لے چلے اور ان تمام غلط راہوں پر گام زن ہونے سے باز رکھے جو ہلاکت وتباہی تک منتہی ہونے والے ہیں، سماج کے بدکردار افراد کو ان کی بدعملی کی سزا دے اور نکوکاروں کے حسن عمل کی قدر افزائی کرے۔ قوم وملک پر کوئی آنچ آئے تو اس کی حفاظت کا سامان کرے اور ملک کی ترقی وسربلندی کے اسباب فراہم کرے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قوتِ نافذہ خلیفہ کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کا کام اس کے بغیر انجام نہ پاسکے۔

اس تصور کا دوسرا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ اسلامی مملکت کا صدر عوام کے روٗ برو جواب دَہ ہوگا۔ اس وجہ سے وہ من مانی کی کارروائی نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ایسا قدم ہی اٹھاسکتا ہے جو مملکت کے حق میں ضرر رساں اور تباہ کن ہو، اس لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت کا صدر داخلی اور خارجی پالیسی، جنگ وصلح اور اسی نوع کے تمام بنیادی معاملات میں، جن کا تعلق مملکت کے بقا وتحفظ سے ہو اور وہ معاملات جو اس کے وجود وبقا پر اثر انداز ہوسکتے ہوں، بغیر مشورہ کے اقدام نہ کرے۔ اسی وجہ سے مذکورہ بالا مثالوں میں آپ دیکھیں گے کہ خلیفۂ وقت نے جو بھی اقدام کیا، امت کی مرضی سے کیا ہے، اس کے خلاف کوئی دوسری روش اختیار کرنے کا وہ مجاز نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں خلیفہ پارلیمنٹ کی رائے کے علی الرغم کوئی اقدام نہیں کرسکتا۔

اصحابِ رائے سے مشورہ کی روایت

اس نوع کے اہم اور اساسی امور کے علاوہ دیگر تمام معاملات مثلاً کتاب وسنت کے کسی نص کی تشریح وتوضیح یا کسی خاص مسئلہ میں اجتہاد واستنباط، کسی سزا کا تعین، یا کسی جزئی مسئلہ میں مخصوص پہلو کا ترک واختیار اور ایسے ہی دوسری چھوٹی چھوٹی تفصیلات میں خلیفہ آزاد ہوگا اور اپنی ذمہ داری پر اقدام کرے گا۔ البتہ آسانی اور سہولت کے لیے خلیفہ اربابِ فقہ وبصیرت، حالات سے واقف کار اور ایسے تمام لوگوں سے، جنہیں صورت حال کا صحیح فہم حاصل ہے، مشورہ کرے گا۔ حدیث وتاریخ میں بہ کثرت ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین جزئی معاملات میں بھی مشورہ ہی سے کام کرتے تھے۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ ان میں سے بیش تر اصحاب کو اپنی فطری صلاحیتوں اور قوم کے ان پر اعتماد کی وجہ سے نمائندگانِ قوم کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے اکابر صحابہ کے برابر جگہ دیتے تھے۔۸؎ اس کی وجہ حضرت ابن عباسؓ کی زیرکی اور فہم وبصیرت تھی۔ اس پہلو سے وہ بہت سے سن رسیدہ اصحاب سے آگے تھے۔

امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کے مشیروں کے متعلق لکھتے ہیں:

وکان القرّاء أصحاب مشورة عمر کھولاً کانوا أو شبّاناً۔۹؎

قرآن کے عالم حضرت عمرؓ کے مشیر ہوتے تھے، خواہ وہ معمر ہوں یا نوجوان۔

امام زہریؒ کہتے ہیں:

کان عمر بن الخطاب اذا نزل الأمر المعضل دعا الفتیان فاستشارھم یبتغی حدّة عقولھم۔۱۰؎

حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو نوجوانوں کو بلاکر مشورہ کرتے، تاکہ ان کی ذہانت سے فائدہ اٹھاسکیں۔

۸۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۴۰-۵۳۹

۹۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قولہ تعالیٰ وامرھم شوریٰ بینھم الخ۔

۱۰۔ السنن الکبریٰ، ج۱۰، ص۱۱۳، مختصر جامع بیان العلم وفضلہ، ص۴۲

بغویؒ نے امام زہریؒ کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ ''حضرت عمرؓ کی مجلس ہمیشہ علماء وفقہاء سے کھچا کھچ بھری رہتی تھی، جن سے آپ مشورہ طلب امور میں مشورہ کرتے تھے۔''۱۱

ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ عورتوں سے بھی مشورہ کرتے تھے اور بسا اوقات ان کی کسی رائے میں خوبی کا پہلو نظر آتا تو اسے اختیار فرماتے تھے۔۱۲

امام ابن تیمیہؒ حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

وكان عمر بن الخطاب يشاور الصحابة رضي الله عنهم في الحوادث ، يشاور عثمان وعلياً و عبدالرحمن بن عوفٍ وابن مسعودٍ وزيد بن ثابتٍ حتّى كان يشاور ابن عباسٍ......وكان يرجع تارةً إلىٰ رأيِ هذا وتارةً إلىٰ رأيِ هذا۔۱۳	حضرت عمرؓ مختلف معاملات میں صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔حضرات عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم، حتی کہ ابن عباسؓ سے بھی مشورہ کرتے ۔کبھی اِن کی اور کبھی اُن کی رائے اختیار فرماتے۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی باہم مشورہ کا ماحول تھا۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ حضرات عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ مسائل میں ایک دوسرے کی طرف مراجعت کرتے تھے۔اسی طرح حضرات علیؓ، ابی بن کعبؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ آپس میں رائے مشورہ کرتے تھے۔۱۴

حضرت عثمانؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب آپ کے روٗبروکوئی مقدمہ پیش ہوتا تو مقدمہ کے ایک فریق سے کہتے جاؤ: علیؓ کو بلا لاؤ، دوسرے فریق کو طلحہؓ، زبیرؓ اور بعض دیگر صحابہ کو لانے کا حکم دیتے۔ان حضرات کے جمع ہونے پر فریقین کو مقدمہ پیش کرنے کا حکم دیتے۔اس کے بعد ان بزرگوں کی رائے دریافت فرماتے۔اگر ان حضرات کی رائے اپنی رائے کے موافق پاتے تو اسی وقت فیصلہ فرمادیتے، ورنہ ان کی آراء کی روشنی میں غور کر کے فیصلہ کرتے۔۱۵

۱۱۔ازالۃ الخفاء، ج۲،ص۱۱۹
۱۲۔بیہقی: ج۱۰،ص۱۱۳، کنز العمال: ج۲،ص۱۶۳
۱۳۔منہاج السنۃ: ج۳،ص۱۵۰
۱۴۔اعلام الموقعین: ج۱،ص۱۲
۱۵۔السنن الکبریٰ: ج۱۰،ص۱۲۲

ایوانِ عام اور ایوانِ خاص

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں دو مختلف قسم کے ایوان ہوتے تھے: ایک ایوان عام، جس میں مہاجرین وانصار کے نمائندے جمع ہوکر فیصلہ کن معاملات اور اہم سیاسی امور پر غور کرتے۔ اس ایوان کے اجلاس اس وقت منعقد ہوتے جب کوئی اہم اور بنیادی معاملہ زیرِ غور ہوتا۔ اس میں کسی رائے پر اتفاق ہوجاتا تو امیر اس کے خلاف اقدام نہ کرتا تھا۔ روز مرہ کے مسائل میں ایوان خاص منعقد ہوتا تھا، جس کے مشوروں کی پابندی امام پر لازم نہیں ہوتی تھی۔ مسائل کے حل کا یہ ایک فطری طریقہ ہے۔ اس لیے اس کی پابندی کی جاتی تھی اور آج بھی پابندی کی جانی چاہیے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''قاضی کو چاہیے کہ اہل علم کی صحبت اور ہم نشینی ترک نہ کرے۔ جب اس کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ آئے تو ان کے سامنے رکھے اور ان سے مشورہ کرے۔ امام مالک سے کہا گیا اگر قاضی خود عالم ہو تو بھی کیا اسے اہل علم سے مشورہ کرنا چاہیے۔ امام موصوف نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو، وہ حضرت عمرؓ سے بھی بڑا صاحب علم ہوگا۔ جب ان کے سامنے مسائل آتے تو نبی ﷺ کے اصحاب کو جمع کرتے، پھر مدعی کے بارے میں فیصلہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بھی اس طرح کے امور میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے۔ یہی اصحابِ علم کا معمول رہا ہے۔ اسے ترک نہیں کرنا چاہیے۔''۱۶

مسیّب بن رافع کہتے ہیں: ''جس مسئلہ میں صحابۂ کرام کو کتاب وسنت کی واضح تعلیم نہ ملتی اس میں آپس میں جمع ہوکر مشورہ کرتے اور کسی نتیجہ پر پہنچتے۔ جس امر پر ان کا اجماع ہوجائے وہی حق ہے۔''۱۷

قاسم بن محمدؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ انھوں نے جواب دیا: ''نہ تو میں

۱۶۔ مناقب الامام مالک، تالیف عیسیٰ بن مسعود الزاوی۔ المطبوع مع تزئین الممالک: ص ۴۳۔۴۴

۱۷۔ سنن دارمی: ص ۲۸، باب التورع عن الجواب فیما لیس فیہ کتاب ولا سنۃ، الاعتصام للشاطبی: ج ۳، ص ۱۳۷، امام شاطبی کے نقل کردہ الفاظ سنن دارمی کے الفاظ سے مختلف ہیں، البتہ مفہوم ایک ہے۔ ۱۸۔ سنن دارمی: مقدمہ، باب ۱۷۔ نمبر ۱۱۴

اس مسئلہ میں مشورہ کرنے پر مجبور ہوں اور نہ میرے ذہن میں اس کا کوئی جواب ہے۔'' ۱۸

اس قسم کی مشاورتِ باہمی کی ایک مثال صحابہ کے دور سے اس وقت پیش کی جاتی ہے:

ابومسلم خولانیؒ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں دمشق کی مسجد گیا، دیکھا کہ معمر صحابہ کا ایک حلقہ لگا ہوا ہے اور اس میں سرمگیں آنکھوں اور چمک دار دانتوں والا ایک نوجوان بھی بیٹھا ہوا ہے اور اس مجلس میں مسائل زیر بحث آتے جا رہے ہیں، جب کسی مسئلہ میں ان بزرگوں کے مابین اختلاف ہوتا تو سب اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔ اس نوجوان کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔ ۱۹

خلفاء کے اس دوسرے ایوان کی بالکل یہی حیثیت ہوتی تھی۔ ذیل میں اس طرح کے بعض واقعات پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایوان خاص میں حل کیے جانے والے مسائل اور ایوان عام میں زیر بحث آنے والے مسائل میں (جن کی مثالیں صفحات بالا میں پیش کی جا چکی ہیں) نوعیت کا کتنا عظیم الشان فرق ہے۔

جزئی معاملات مشورہ کرنے کی چند مثالیں

سب سے پہلے چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جزئی معاملات میں بھی مشیروں کے مشوروں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی اور جب تک کوئی معقول وجہ نہ ہو، انہیں رد نہ کیا جاتا تھا:

۱۔ تشریع اذان

بعض اوقات سربراہ ریاست کے سامنے مختلف رائیں ہوتیں اور وہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیتا۔ اس کا ثبوت ہمیں رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ملتا ہے:

ہجرتِ مدینہ کے بعد نماز باجماعت کا حکم نازل ہوا، لیکن اس کے اوقات کے

۱۹۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۲۳۲، مستدرک حاکم: ۳/ ۲۶۹

اعلان کی کوئی یقینی صورت نہیں تھی۔آں حضرتﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔بعض اصحاب نے مشورہ دیا کہ آگ جلائی جائے، تاکہ لوگ اس کی روشنی کو دیکھ کر جمع ہوسکیں۔بعض اصحاب نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے،لیکن پہلی صورت آتش پرستوں سے اور دوسری صورت میں اہل کتاب سے مشابہت پائی جاتی تھی،اس لیے ان مشوروں کو پسند نہیں کیا گیا۔دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے آں حضرتﷺ سے کہا کہ مجھے خواب میں نمازیوں کو وقت پر جمع کرانے کی ایک نئی صورت (اذان کی موجودہ شکل) بتائی گئی ہے۔آں حضرتؐ نے ان کی دیکھی ہوئی شکل کو پسند فرمایا اور حکم دیا کہ حضرت بلالؓ کو سکھادی جائے، تاکہ وہ زور سے اذان دے سکیں۔حضرت عمرؓ نے بعد میں کہا کہ بعینہ یہی خواب انھوں نے بھی دیکھا تھا۔[۲۰]

۲۔جمعِ قرآن

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن کے مختلف اجزا کو، جو مختلف صحیفوں اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں،تحریری شکل میں یک جا کر دیا جائے۔ابتدا میں حضرت ابوبکرؓ نے کچھ پس وپیش کیا،لیکن غور وفکر کے بعد انہیں حضرت عمرؓ کا مشورہ صحیح اور درست محسوس ہوا، چناں چہ انہوں نے قرآن کو ایک نسخہ میں جمع کروادیا۔[۲۱]

۳۔شراب کی حد

قرآن وحدیث میں جرم مے خواری کی کوئی متعین سزا نہیں بیان ہوئی ہے۔عہد رسالت میں کبھی چالیس کوڑے لگائے جاتے اور کبھی یوں ہی زدوکوب کے بعد چھوڑ دیا جاتا۔[۲۲] حضرت عمرؓ نے چاہا کہ سرکاری طور پر اس کی ایک خاص حد مقرر کردی جائے۔ آپ نے اہل علم صحابہ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس مجلس کے شرکاء میں حضرات علی،طلحہ،زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی متعین طور پر ملتے ہیں۔[۲۳]

۲۰۔مشکوٰۃ کتاب الاذان،بحوالہ بخاری ومسلم۔اس سلسلہ کی اور روایات بھی اسی باب میں موجود ہیں۔
۲۱۔صحیح بخاری: کتاب جمع القرآن۔ ۲۲۔ابوداؤد: ج ۲، کتاب الحدود، باب فی الحدود فی الخمر۔
۲۳۔اعلام الموقعین: ج ۱،ص ۱۸۳

غالباً سب نے حضرت عمرؓ کی رائے کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد سزا کے تعین پر بحث ہوئی۔ حضرت علیؓ نے کہا: آدمی جب نشۂ شراب سے بدمست ہو جاتا ہے تو اول فول بکنے لگتا ہے اور عموماً دوسروں کی عزت و آبرو پر حملے بھی کر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا شارب کی سزا قاذف کی سزا ہونی چاہیے، جو قرآن کی رو سے اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔۲۴

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میری رائے میں بھی شرابی کی یہی حد ہونا چاہیے، کیوں کہ قرآن مجید نے سب سے کم تہمت کی سزا رکھی ہے۔ لہٰذا شراب کی حد اللہ کے متعین کردہ حدود میں سب سے ہلکی رہے۔ (کیوں کہ اجتہاد میں حتّی الوسع احتیاط برتنی چاہیے، تاکہ کہیں کسی پر ظلم نہ ہونے پائے) چنانچہ اسی کے مطابق فیصلہ ہوا۔۲۵

۴۔ امیر المومنین کا لقب

گورنر عراق نے دو عراقیوں کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ ان لوگوں نے ان کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب سننے کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ خلیفہ کا کوئی سرکاری لقب ہونا چاہیے، جس سے وہ یاد کیا جائے، ورنہ اگر پہلے خلیفہ کو خلیفۂ رسول کہا جائے اور دوسرے کو خلیفۂ خلیفۂ رسول تو یہ سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا کہ ہم مومنین ہیں اور آپ ہمارے امیر، لہٰذا آپ کو امیر المومنین کہا جائے۔ اسی وقت سے حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔۲۶

۵۔ خلیفہ کی تنخواہ

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر قوم سے دریافت کیا کہ خلیفہ بیت المال

۲۴۔ موطا امام مالک: کتاب الاشربۃ، باب الحد فی الخمر ۲۵۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی الحد فی الخمر۔

۲۶۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں دو قسم کی روایتیں نقل کی ہیں، جن میں ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقیوں کے کہنے کے بعد یہ لقب اختیار کیا گیا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورے سے اسے اختیار کیا گیا۔ ہم نے مذکورہ بالا طریقہ سے دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق دی ہے۔ ابن سعد کی روایت سے مجملاً اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین کا لقب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے اختیار کیا گیا تھا۔ ابن سعد: ج ۳، ص ۲۰۲۔

سے تن خواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لے سکتا ہے تو کس قدر؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ آپ اپنے لیے اور اپنے ان تمام اہل وعیال کے لیے، جن کی کفالت کا بار آپ پر ہے، معروف طریقہ سے تن خواہ لے سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: مال، جو پوری قوم کی ملکیت ہے، اسے کس طرح میں اپنے ذاتی اخراجات میں لاسکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: چوں کہ قوم ہی کے مفاد کے لیے آپ نے اپنی معاشی تگ ودو ترک کردی ہے، بلکہ اجتماعی مصروفیات نے کسب رزق سے باز رکھا ہے، اس لیے آپ کو اس مال سے معروف طریقہ پر مستفید ہونے کا حق ہے۔ ۲۷؎ چناں چہ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا۔

۶۔ غلاموں کی رہائی

فتح عراق کے بعد وہاں کے قیدیوں کو حضرت عمرؓ اسلامی فوج کے درمیان تقسیم کردینا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ انہیں غلام بنائے رکھنے کے بجائے آزاد کردیا جائے اور ان سے جزیہ وصول کیا جاتا رہے۔ اس سے مملکت کو مستقل فائدہ پہنچے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اختیار کیا۔ ۲۸؎

۷۔ تعریضاً قذف کی سزا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں دو شخص کسی بات پر الجھ پڑے اور سب وشتم تک نوبت پہنچ گئی۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے دوسرے سے کہا: میرا باپ زانی ہے نہ میری ماں۔ گویا قائل نے اس تعریض کے ذریعہ اپنے حریف کے ماں باپ کے زانی ہونے کی تہمت لگائی۔ حضرت عمرؓ کے روبرو یہ مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ قائل نے صرف اپنے ماں باپ کی تعریف کی، اتنی سی بات سے کسی دوسرے کا زانی ہونا واضح طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک جرم واضح طور پر ثابت نہ ہو سزا نہیں دی جاسکتی، لیکن بعض دوسرے صحابہ نے کہا: اس موقع ومحل میں قائل کے مذکورہ بالا جملہ کا مقصود اپنے حریف کے والدین پر تہمت طرازی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس پر حد قذف جاری ہونی چاہیے۔

۲۷۔ الامامۃ والسیاسۃ: ج۱ص۱۷۔ ۲۸۔ کتاب الخراج: ص۴۳

۲۹۔ مؤطا امام مالک: کتاب الحدود باب الحد فی القذف والنفی والتعریض۔

حضرت عمرؓ نے دوسری رائے کو پسند کیا اور قائل کو اسّی (۸۰) کوڑے لگوائے۔[۲۹]

سنۂ ہجری کا آغاز

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسا دن مقرر کیا جائے جس سے مسلمان اپنی تاریخ متعین کر سکیں۔ آپ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ مختلف بزرگوں نے مختلف مشورے دیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: جس دن آں حضورؐ دارالشرک کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے اور اسلام کو حیاتِ نو نصیب ہوئی، اسی دن سے تاریخ شروع کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور اسی دن کو اسلامی تاریخ کا پہلا دن مقرر کیا۔[۳۰]

۹۔ لوطی کی سزا

حضرت خالدؓ کے سامنے ایک شخص کو لواطت کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ چوں کہ کتاب وسنت میں اس جرم کی کوئی متعین سزا موجود نہیں ہے، اس لیے حضرت خالدؓ نے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکرؓ کی طرف مراجعت کی۔ انھوں نے مسئلہ کو اپنے مشیروں کے سامنے پیش کیا اور اپنی ذاتی رائے کی بھی تصریح کر دی کہ لوطی کو قتل کی سزا دی جانی چاہیے۔ مشیروں نے اس رائے کی ہم نوائی کی۔ اتنے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ خلافِ فطرت اور مکروہ فعل صرف قتل ہی کا مستحق نہیں ہے، بلکہ اس کی سزا سخت ترین اور عبرت ناک ہونی چاہیے، تاکہ پھر کسی کو اس اقدام کی ہمت نہ ہو۔ عرب مثلہ کی سزا کو سب سے گھناؤنی سزا اور جبینِ انسانیت پر ایک بدنما داغ سمجھتے ہیں۔ اس فعل شنیع پر کوئی ایسی سزا تجویز کی جائے جو مثلہ سے بھی زیادہ معیوب ہو اور میری رائے میں اس فعل کے مرتکب کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی

۳۰۔ مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۱۴، تاریخ طبری: ج، ص ۳۵۳، اس موضوع کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اوراق سیرت۔ بحث اسلامی تاریخ میں ہجرت مدینہ کی اہمیت، ص ۳۵۳۔۳۵۴

۳۱۔ المحلی لابن حزم: ج ۱۱، ص ۳۸۱۔۳۸۰، لوطی کے قتل پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کی جان کس طرح لی جائے۔ بعض اصحاب کے نزدیک اس کی سزا وہی ہے جو زنا کی ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اس کی تعزیر ہے۔ یہ حکومت اور قاضی کے اختیار میں ہے کہ اس کی سزا تجویز کرے۔ کسی نابالغ یا بچے کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی، البتہ اسے اسلامی تہذیب واخلاق کی تعلیم دی جائے گی۔

کے مطابق حضرت خالدؓ کو حد جاری کرنے کا حکم دیا۔[۳۱]

۱۰۔ بیرونی اموال پر ٹیکس

منبج کا علاقہ دارالحرب میں شامل تھا۔ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہم آپ کے ملک میں تجارت کرنا چاہتے ہیں اوراس پر آپ کو دس فی صد ٹیکس ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی پسندیدگی کے بعد اسے قانونی شکل دے دی۔[۳۲]

۱۱۔ عارضی زکوٰۃ

شام کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ بہت سے گھوڑے، غلام اور مختلف قسم کے اموال ہمیں حاصل ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان سے زکوٰۃ وصول کی جائے، تاکہ ہمارا مال پاک ہو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ ہے اور اس کے وصول کرنے کی چند خاص شرائط ہیں۔ ان میں کسی قسم کی ترمیم کا کوئی شخص مجاز نہیں ہے۔ تم جس قسم کی زکوٰۃ دینا چاہتے ہو اس کا ثبوت آں حضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں نہیں پایا جاتا، لہٰذا مجھے اس کے قبول کرنے میں تامل ہے۔

آپ نے اس سوال کو اپنی شوریٰ میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا: اگر اس زکوٰۃ کی نوعیت مستقل نہیں ہے اور یہ لوگ بہ رضا ورغبت زکوٰۃ کی مقدار میں اپنا مال اللہ کی راہ میں دینا چاہتے ہیں تو اس کے قبول کرنے میں تامل کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ کے بعد آنے والے بھی اس پر عمل کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۳۳]

اکثریت کے مقابلے میں فرد واحد کی رائے پر عمل کی چند مثالیں

اب ہم چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات خلیفہ نے اکثریت کی رائے کے مقابلہ میں کسی ایک فرد کی رائے کو زیادہ قوی پا کر ترجیح دی ہے:

حضرت عمرؓ نے ایک حاملہ کو غالباً کسی جرم پر سزا دینے کے لیے طلب کیا۔

۳۲۔ کتاب الخراج: ص ۱۶۲۔۱۶۱

۳۳۔ مسند احمد: حدیث نمبر ۲۸

سزا کے خوف سے عورت کا حمل ساقط ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آپ اس کی تادیب واصلاح چاہتے تھے اور اس حادثہ میں آپ کے قصد وارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا ہم آپ کو ہر قسم کی ذمہ داری سے بری سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ فرمایا: ممکن ہے، آپ کو گناہ نہ ہو، کیوں کہ آپ کی نیت نیک تھی، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دیت ادا کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ کو پسند کیا اور اس پر عمل کیا۔[۳۴]

ایک عورت حضرت عمرؓ کی عدالت میں حاضر ہوئی اور جرمِ زنا کا اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس جو صحابہ موجود تھے انہوں نے حد جاری کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عثمانؓ اسی مجلس میں اپنی جگہ خاموش تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: عثمان! آپ کیوں خاموش ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اس عورت کے برملا اقرار سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ یہ حرمتِ زنا اور اس کی بھیانک سزا سے واقف نہیں ہے۔ عورت سے دریافت کرنے پر یہی صورت نکلی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے مشورے کے مطابق عورت کو معافی کا پروانہ عطا کیا۔[۳۵]

جزئی مسائل میں امام کو اپنی رائے پر عمل کا حق حاصل ہے

ذیل میں ہم دو چار ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جو جزئی مسائل میں امام کے اختیار کامل پر صاف دلالت کرتے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے شوریٰ کی رائے کے مقابلہ میں اپنی ہی رائے کو قابلِ عمل سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی بعض فروگزاشتوں پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان کی معزولی کا مشورہ دیا اور بار بار اپنی رائے کو دہراتے رہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو نہیں مانا اور خالدؓ پورے دورِ صدیقی میں اپنے منصب پر باقی رہے۔[۳۶]

۳۴۔ اعلام الموقعین: ج۱، ص ۱۸۷

۳۵۔ منہاج السنۃ: ج۳، ص ۱۶۳

۳۶۔ یہ روایت صحیح شکل میں ملاحظہ ہو: المحلی: ج۱۱، ص ۱۸۴

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعید بن العاصؓ کو کمانڈر مقرر کرنا چاہا۔ چوں کہ ابن سعیدؓ نے ایک موقع پر بعض نامناسب خیالات کا اظہار کردیا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کواس تقرر سے باز رکھنے کی سعی کی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ کی رائے کے باوجود انہیں کمانڈر مقرر کیا۔[۳۷]

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ صحابہ سے مشورہ کیا کہ میت کے ترکہ کے زیادہ حق دار اس کے بھائی ہیں یا اس کا دادا، جب کہ باپ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے میں دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے بھائیوں کی بہ نسبت اسے زیادہ مستحق قرار دیا، لیکن زید بن ثابتؓ، حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ ان بزرگوں کے نزدیک میت کے ترکہ کے دادا کی بہ نسبت بھائی زیادہ حق دار ہیں۔ (گوکہ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کی آراء آپس میں ذراسی مختلف تھیں) زید بن ثابتؓ نے مختلف تمثیلوں کے ذریعہ اپنی رائے کی حقیقت واضح کرنے کی سعی کی اور کہا کہ ایک درخت کی کسی ٹہنی سے جب دوشاخیں نکلتی ہیں تو یہ شاخیں اس ٹہنی سے بہ نسبت اصل پیڑ کے زیادہ قریب ہوتی ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے ان دلائل کو ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ اگر آج مجھے فیصلہ کرنا پڑا تو دادا ہی کے حق میں فیصلہ کروں گا۔

حضرت عمرؓ کو جب ابولولو نامی ایک غلام نے شہید کردیا تو جوشِ غضب میں آپ کے فرزند عبیداللہ نے قاتل کے ساتھ بعض اور مشتبہ لوگوں کا بھی کام تمام کردیا۔ حضرت عثمانؓ کے مسندآرائے خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ چوں کہ قاتل کے قتل کرنے کا حضرت عبیداللہ کو کوئی حق نہیں تھا اور ساتھ ہی انہوں نے غیر قاتلین کو بھی قتل کردیا تھا، اس وجہ سے بعض صحابہ نے قصاص میں عبیداللہ کے قتل کا مشورہ دیا، بعض دیگر صحابہ نے کہا: چوں کہ عبیداللہ سے یہ حرکت شدتِ غم اور بے اختیاری کے عالم میں سرزد ہوئی ہے، اس لیے انہیں معاف کردیا جائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان تینوں رایوں

۳۷۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳

۳۸۔ البدایۃ والنہایۃ: ج ۷، ص ۱۴۹۔۱۴۸

میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کیا، بلکہ اپنے مال سے مقتولین کی دیت ادا کی۔ ۲۸؎

اس قسم کے بعض اور واقعات بھی پیش کیے جاسکتے ہیں، جن پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ واقعات حددرجہ جزئی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی حیثیت فقہی مسائل کی سی ہے، جن میں ایک سے زیادہ آراء کا پایا جانا معیوب نہیں، بلکہ مستحسن ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر بہ خوشی قائم رہ سکتا ہے اور دوسروں کے سامنے اپنی رائے کی صحت پر دلائل بھی پیش کرسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے دلائل سے مطمئن ہوجائے تو اس کی ہم نوائی کرے گا، لیکن اگر وہ مطمئن نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ان فقہی مسائل میں جس طرح خلفاء اپنے مشیروں کی رائے کے پابند نہیں ہوتے تھے، بالکل اسی طرح عوام بھی خلفاء کی رائے ومسلک کی اتباع پر مجبور نہیں تھے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہمیں اسلام کے ابتدائی عہد میں ملتی ہیں، لیکن جیسا کہ ہم صراحت کر چکے ہیں، خلفائے راشدین کے دور، خصوصیت سے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے دور میں یہ جزئی مسائل بھی عام طور پر شوریٰ ہی کے ذریعہ طے پاتے تھے اور جو مسائل باہمی مشورہ کے ذریعہ طے کیے جائیں انفرادی آراء کے مقابلہ میں اس کی حیثیت بہت ہی ارفع واعلیٰ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن وسنت میں دلیل نہ پانے پر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے دور سے دلیل اخذ کرتے تھے۔

اسلام کے قانونِ شوریٰ کی یہ تفصیلی کیفیت ہے، جو کتاب وسنت کے اوراق میں ہمیں ملتی ہے اور عاملینِ کتاب وسنت کی زندگیاں اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپردِ قلم فرمائے تھے اور وہ مجلّہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب و سیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔ صفحات: 96، قیمت: 65 روپے

مقالہ نگار حضرات سے گزارش

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ گزشتہ بیالیس (۴۲) برسوں سے فکرِ اسلامی کی اشاعت اور عصری مسائل میں اسلامی نقطۂ نظر کی توضیح وتشریح کے میدان میں جو اہم خدمات انجام دے رہا ہے، آں جناب ان سے بہ خوبی واقف ہیں۔ مولانا سید جلال الدین عمریؒ نے ۱۹۸۲ء میں سہ ماہی مجلّہ 'تحقیقات اسلامی' کا اجرا اس کے ترجمان کی حیثیت سے کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اپنی صحیح شکل اور بہترین علمی اسلوب میں پیش کی جائیں، دورِ جدید میں اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا علمی انداز میں ازالہ ہو اور اسے ایک ایسے زندہ اور انقلابی فکر کی حیثیت سے پیش کیا جائے جو آج کے انسان کے پیچیدہ ترین مسائل کو حل کرتا اور اسے دنیا وآخرت کی کام یابی سے ہم کنار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ 'تحقیقات اسلامی' اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کام یاب ہے، اسے ہندو پاک کے علمی جرائد ومجلّات میں امتیازی مقام حاصل ہے اور علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس قلمی جہاد میں ہم آپ کے بھرپور تعاون کے خواست گار ہیں۔ اس سلسلے میں چند گزارشات آپ کی توجہ چاہتی ہیں:

۱۔ تحقیقات اسلامی میں قرآنیات، حدیث، سیرتِ نبوی، اسلامی تاریخ، سوانح، تصوف، تہذیب و معاشرت اور تقابلِ ادیان وغیرہ پر مقالات شائع کیے جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ مقالہ کا اسلامیات کے کسی نہ کسی پہلو سے لازماً تعلق ہو۔

۲۔ مقالہ میں حوالوں کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور حوالے بنیادی مصادر و مراجع کے ہوں، ثانوی اور اردو تراجم کے نہ ہوں۔

۳۔ مجلّہ سہ ماہی ہے اور ہر شمارے میں صرف چار پانچ مقالات ہی شامل ہو پاتے ہیں۔ اس لیے مقالہ موصول ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا نمبر بعض اوقات تین چار شماروں کے بعد ہی آپاتا ہے۔ امید ہے، اتنی زحمتِ انتظار برداشت کی جائے گی۔

۴۔ مجلّہ میں صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی شائع کیے جاتے ہیں۔ اس لیے جو مقالہ اس میں اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں اسے کسی اور مجلّہ میں نہ بھیجیں اور جس مقالے کو کسی اور مجلّے میں روانہ کر چکے ہوں اسے 'تحقیقات اسلامی' کے لیے بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

امید ہے، ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشیں گے اور قلمی تعاون فرمائیں گے۔ بہتر ہوگا کہ مقالہ ان پیج/ایم ایس ورڈ میں ٹائپ کیا گیا ہو اور اچھی طرح اس کی پروف ریڈنگ کر لی گئی ہو۔ اسے درج ذیل ای میل پر ارسال فرمائیں:

tahqeeqat@gmail.com / mrnadvi@gmail.com

عبداللہ یوسف علی کے گم راہ کن انگریزی ترجمۂ قرآن کے عواقب

ہندوستانی سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلوں کی روشنی میں

—— پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

ترجمۂ قرآن مجید بظاہر ایک بے ضرر سی علمی دینی کاوش ہے، جس کا مقصود غیر عربی داں قارئین کو قرآن کریم کے معانی اور مطالب سے روشناس کرنا ہے۔ دعوت اور اشاعتِ قرآن کے نقطۂ نظر سے اس کی افادیت اظہر من الشّمس ہے کہ غیر مسلم ہی کیا، کروڑوں مسلمان تک عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث قرآن مجید تک براہ راست رسائی سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے لیے ترجمہ ہی وہ واحد وسیلہ ہے جس سے وہ قرآن کریم کے پیغام سے واقف ہوسکتے ہیں۔[۱]

ترجمے کا اصل الاصول انتہائی احتیاط اور دیانت داری کے ساتھ متن کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ سرتا سر لفظی ترجمہ مطلوب نہیں ہوتا ہے، بلکہ اسے زیرترجمہ زبان کے محاورۂ بیان اور طرزِ ادا کے مطابق ہونا چاہیے، ورنہ خبط مطلب اور مغلق عبارت قارئین کے لیے بے مصرف ہوتی ہے۔ مفہوم کی ترسیل، جو ترجمے کا اصل محرک ہوتی ہے، لفظی ترجمے میں معدوم ہوجاتی ہے۔ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے مترجم کو آزادی صرف ایک حد تک رہتی ہے۔ یہ آزادی مشروط ہوتی ہے اس قید کے ساتھ کہ معنیٰ اور مطلب میں کوئی تغیر نہ آنے پائے اور اصل مضمون بعینہٖ ادا ہو۔ متن کی پاس داری اور حسن ادائیگی اچھے ترجمے کی شناخت ہے۔

ایک اطالوی مثل ہے: Traduttore Traditore (مترجم خائن ہوتا ہے)۔ گزشتہ چار عشروں میں تقریباً سو (۱۰۰) مکمل انگریزی تراجمِ قرآن پر اپنے

مطبوعہ نقد ونظر کی بنیاد پر میں اس مثل کی تلخ صداقت کا عینی شاہد ہوں۔[۲]

کسی مترجم کا اپنی ذاتی تعبیرات، تاویلات، ترجیحات اور تعصّبات سے مملو ترجمہ علمی روایت کو مجروح کرنے اور قارئین پر ظلم کرنے کے پہلو بہ پہلو دیگر سنگین عواقب پر بھی منتج ہوتا ہے اور اس قبیح فعل کے دوٗررس اور دیرپا اثرات روٗنما ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں عبداللہ یوسف علی (آگے ان کا محض مخفف 'علی' استعمال کیا جائے گا۔) کے سوہانِ روح انگریزی ترجمۂ قرآن مع تفسیر (سنۂ اشاعت ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۷ء) کا محاکمہ پیش ہے کہ اس کے گم راہ کن مندرجات سے کیسے ہندوستانی عدالتِ عظمیٰ (Supreme Court) کے حالیہ فیصلے متاثر ہوئے؟ کیسے اس سے شریعت کی مسخ شدہ صورت سامنے آئی؟ اور کیسے ملّتِ اسلامیہ اس کے عواقب کا شکار بنی؟ ایک غیرمحتاط بلکہ غیر ذمہ دار مترجم کی تجدّد مآب اور غیر اسلامی تاویلات کا شاخسانہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ بھی ہے اور فوری تدارک کا متقاضی بھی۔

علی (۱۴/اپریل ۱۸۷۲ء-۱۰/دسمبر ۱۹۵۳ء) کی پیدائش بمبئی کے ایک شیعہ اسماعیلی داؤدی بوہرہ خاندان میں ہوئی۔ ان کی تعلیم عیسائی مشنری ولسن کالج بمبئی میں ہوئی۔ انھوں نے انگریزی ادب میں بی اے بمبئی یونی ورسٹی سے کیا اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج یونی ورسٹی، انگلستان میں حاصل کی۔ وہ ہندوستان کی قابل افتخار انڈین سول سروس کے مقابلے میں منتخب ہوئے اور مختلف اعلیٰ انتظامی مناصب پر فائز رہے۔ اس عہد کے صوبۂ اترپردیش کے لیفٹینینٹ گورنر لارڈ جیمس میسٹن ان کے خصوصی کرم فرما تھے۔ انگلستان منتقل ہوجانے کے بعد علی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، لندن یونی ورسٹی میں استاد رہے۔ آخر عمر میں وہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے۔ انھوں نے ایک انگریز خاتون سے شادی کی۔ اس سے طلاق کے بعد ایک اور انگریز خاتون ان کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ہر چند کہ علی حافظِ قرآن تھے، لیکن باقاعدہ دینی تعلیم انھوں نے حاصل نہیں کی اور اپنے شوق سے اسلامیات کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جس میں ۶۳۱۰ تفسیری حواشی بھی شامل ہیں۔ علی کا ترجمہ جس زمانے میں منظرِ عام پر آیا

اس وقت صرف ایک برطانوی نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھال کا انگریزی ترجمہ (سنۂ اشاعت ۱۹۳۰ء) دست یاب تھا، جو کہ تفسیری حواشی سے عاری، صرف متنِ قرآن کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ اس لیے قارئین کو علی کی جامع تفسیر کی بہت قدر ہوئی۔ انہوں نے اپنی تصنیف کے طباعتی حقوق بھی اپنے لیے محفوظ نہیں رکھے، بلکہ اس کی اشاعت کی عام اجازت دے دی، لہٰذا ہندوستان اور بیرونِ ملک متعدد ناشرین نے اسے پے در پے شائع کیا۔ میری تحقیق کے مطابق اب تک اس کے تین سو (۳۰۰) سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اسے سب سے زیادہ مقبول اور کثیرالاشاعت انگریزی ترجمۂ قرآن کا مقام حاصل ہے۔[۳] ۱۹۸۰ء کے عشرے تک سعودی عرب کے سفارت خانوں کے ذریعہ اس کے مفت نسخے دعوت کے نقطۂ نظر سے تقسیم کیے جاتے تھے۔

۱۹۸۵ء میں اس ترجمۂ قرآن وتفسیر پر راقم الحروف کے تنقیدی مقالے کی اشاعت کے بعد بحمداللہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا[۴] اور سعودی عرب کی وزارت برائے مذہبی امور نے اغلاط سے آلودہ اس ترجمۂ قرآن پر نظر ثانی کے لیے ماہرین کی ایک مجلس تشکیل دی۔ اس کی جرّاحی نما نظر ثانی کے بعد ۱۹۸۹ء میں غلطیوں سے بڑی حد تک پاک ایک نیا ایڈیشن زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔

علی کے ہاں مغربی تصوّرِ جہاں سے مرعوبیت اور تجدّد زدگی سے مملو تفسیر بالرائے کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اسی باعث اس ترجمے سے استفادے کے باب میں محتاط رہنے، بلکہ حتی الامکان اس سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔ علی متنِ قرآنی یا منشائے الٰہی کو اپنی ذاتی رائے کا تابع بنانے میں مطلق کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ نصوص کی حامل آیات کی متصوفانہ تشریح اور ان کی مغالطہ کن تاویل اس پر مستزاد ہے۔

علی نے بہ التزام تمام امورِ غیب کی تعبیر بہ طور استعارہ کی ہے۔ وہ جنت کے انعامات ولذائذ اور دوزخ کی عقوبت کے قائل نہیں۔ ان کے بہ قول جزا وسزا کا تصور روحانی ترقی کے حصول کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہے۔ روح جیسے جیسے اسلام سے منوّر ہوتی جاتی ہے، نیکی اور بدی خود ہی مجسّم جزا اور سزا بن جاتی ہیں۔[۵] سورۃ المرسلات کی ابتدائی

آیات قیامت کے دن بپا ہونے والی تقلیب کی بڑی مؤثر تصویر کشی کرتی ہیں کہ اس دن کیسے ستارے بے نور کردیے جائیں گے، آسمان تہہ وبالا کردیا جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیے جائیں گے۔(آیات ۸ تا ۱۱) لیکن علی کے مطابق یہ محض ایک تمثیل ہے، جس کا واقعیت سے کوئی علاقہ نہیں۔ سورۃ الانفطار (آیات ۱ تا ۴) میں قیامت کا یہی وقوعہ بیان ہوا ہے، البتہ علی نے اس کی تفسیر تمام تر علامتی اور اشاری کی ہے۔ موصوف کی خیال آفرینی لائقِ ملاحظہ ہو: ''آیت 'آسمان پھٹ جائے گا' سے استعارۃً مراد یہ ہے کہ ہم آج خود کو بہت سی ایک جیسی اشیاء سے باہم منسلک اور مربوط پاتے ہیں، مثلاً منصب اور عزت، یا دولت اور عیش وآرام میں چولی دامن کا ساتھ پایا جاتا ہے۔ نئے روحانی جہاں میں یہ رشتے ناطے باطل ہوجائیں گے۔ آیت میں مذکور ہے کہ 'سمندر بہہ جائیں گے'، یہ تمثیل اس امر کی ہے کہ علم کے سارے دھارے ایک میں ضم ہوجائیں گے۔ گو یہ فی الحال چھوٹے بڑے نظر آتے ہیں، یہ سب علم واحد میں مجتمع ہوجائیں گے اور صرف نورِ الٰہی ہی درخشاں ہوگا۔''[٦]

سورۃ الانشقاق (آیات ۱ تا ۳) میں روزِ قیامت آسمان کے پارہ پارہ ہونے اور زمین کے چپٹا ہونے کا ذکر ہے۔ علی کی رائے میں یہ محض علائم ہیں۔[۷] سورۃ البقرہ آیت ۲۵ میں انہوں نے جنت کو صرف ایک علامت اور حوروں کو روحانی رفیق قرار دیا ہے۔ وہ جنت اور اور اس کے تمام متعلقہ انعامات کے جسمانی وجود کے قائل نہیں۔[۸] قرآن کریم میں جہاں جہاں جنت کا بیان ہے ان کی نام نہاد عقل پرستی کی رُو سے وہ محض ایک علامت ہے، جس کی کوئی مادی حقیقت نہیں ہے۔ (التوبۃ ۹: ۱۰۰، یٰسٓ ۳۶: ۵۵، محمد ۴۷: ۱۵، الذاریات ۵۱: ۵۴ وغیرہ)۔ سورۃ الدخان ۴۴: ۵۱ تا ۵۵ میں بالتفصیل جنت میں امن وسلامتی، باغوں اور چشموں، باریک اور دبیز ریشم کے لباس، بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں اور میووں کا نقشہ کھینچا گیا ہے، لیکن علی کی دانست میں ''ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ جنت میں کھانے، پینے، پہننے اور ازدواجی تعلقات جیسے شغل ہوں گے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی مادی شے مطلق نہ ہوگی۔''[۹] جنت کے ذیل میں قرآن مجید کو اس کے حسّی لذائذ بیان کرنے

میں کوئی باک نہیں (الرحمٰن ۵۵: ۵۶ ، الواقعہ ۵۶: ۲۲، النبأ ۷۸: ۳۱ تا ۳۳، یٰس ۳۶: ۴۲، ۴۵۔ ۴۶، ص ۳۸: ۵۱ ، الزخرف ۴۳: ۷۰، الطّور ۵۲: ۲۲ وغیرہ)، لیکن علی نے ان کی تشریح ہر مقام پر استعارہ، روحانی بہجت، تمثیل اور علائم کے پیرائے میں کی ہے۔[۱۰]

سورۃ الاعراف میں مذکور ہے کہ اہلِ دوزخ اہلِ جنت سے پانی طلب کریں گے۔ علی کی رائے میں یہ پانی رضائے الٰہی کے مرادف ہے۔[۱۱] اسی طرح سورۃ الدھر آیت ۱۵ تا ۱۶ میں مذکور شیشے اور چاندی کے جام کو انہوں نے علامت پر محمول کرتے ہوئے ان کے وجود کو خارج از امکان قرار دیا ہے۔[۱۲] سورۃ النبأ (آیات ۳۲ اور ۳۴) میں باغات، انگور اور چھلکتے ہوئے جام کے بارے میں ان کی تاویل یہ ہے: ''یہاں تین علامتوں کا حوالہ ہے۔ باغ مسرتِ کامل، انگور عشقِ الٰہی اور جام اللہ کی بے حساب نعمتوں کے معنیٰ میں علی الترتیب استعمال ہوئے ہیں۔''[۱۳]

ہر چند کہ ایک مومن کے قاتل کو قرآن نے دوزخ کے ابدی عذاب، غضب ِالٰہی اور لعنتِ خداوندی کا مورد ٹھہرایا ہے، لیکن علی کا فتویٰ ہے کہ یہ قاتل صرف روحانی عواقب سے دوچار ہوگا۔[۱۴] سورۃ الاعراف ،آیت ۳۸ میں کفار کے دوزخ میں دُگنے عذاب کی وعید درج ہے۔ اس پر علی یہ گل فشانی فرماتے ہیں: ''ہم پر لازم ہے کہ ہم اس دس گنے یا دُگنے کو صرف ایک استعارہ تسلیم کریں۔ یہاں تعداد یا کمیت مراد نہیں ہے۔[۱۵] مجازی معنیٰ پر یہی اصرار سورۃ الحاقۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۲ کی ان کی توضیح سے ہویدا ہے۔ متنِ قرآن میں مجرمین کی عقوبت صریحاً اس طور پر وارد ہوئی ہے کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا، طوق پہنایا جائے گا، دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور ستّر (۷۰) گز لمبی زنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ لیکن علی کا قول فیصل ہے کہ ''اس سب سے مراد یہ ہے کہ ان کی روحانی آزادی سلب کر لی جائے گی۔''[۱۶] قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی اہل دوزخ کی تعذیب مذکور ہے۔ (التوبہ ۹: ۱۰، یونس ۱۰: ۴، ابراھیم ۱۴: ۴۹۔ ۵۰ اور المدثر ۷۴: ۱۷)۔ علی نے اس کا مطلب اور منشا روحانی تعذیب متعین کیا ہے۔ ان کی رائے میں جملہ جسمانی سزاؤں کی حیثیت صرف علامت اور استعارے کی ہے۔[۱۷] ان کے تراشیدہ فسانۂ جزا و سزا کے

مطابق اہلِ نار صرف روحانی سزا سے دوچار ہوں گے، کیوں کہ نارِ جہنم ایک علامت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔۱۸

فرشتوں اور جن کے ضمن میں بھی ان کے ہاں متنِ قرآن کی تغلیط کارفرما ہے۔ صریح قرآنی بیان ہے کہ ابلیس ایک جن تھا۔ (الکہف۱۸: ۵۰)، مگر ان کو ابلیس کے فرشتہ ہونے پر اصرار ہے۔۱۹ وہ ہاروت اور ماروت کو فرشتہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی دانست میں وہ انسان تھے، گو وہ نیکی، حکمت (سائنس) اور قوّت کے حامل تھے۔۲۰ قرآن کریم کے مطابق چند جن تلاوتِ قرآن کی سماعت کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور اسی کے زیر اثر مشرّف بہ اسلام ہوئے (الجن۷۲: ۱-۲) لیکن علی کی تحقیقِ انیق کے لحاظ سے وہ کچھ اجنبی لوگ تھے، جو سرزمینِ عرب سے ناواقف تھے۔۲۱ معجزات کے بارے میں بھی علی نے التزاماً تاویل کی راہ اختیار کی ہے اور ان کی تشریح مجاز، تمثیل اور استعارے کے پیرائے میں کی ہے۔ اس کے پس پشت ان کی نام نہاد عقلیت پرستی، اعتزال اور مغربی فکر سے مرعوبیت اور مغلوبیت ہے۔

دارالافتاء سعودی عرب کے زیر اہتمام نظرِ ثانی کے بعد امانہ کارپوریشن، امریکہ اور کنگ فہد قرآن سنٹر، سعودی عرب نے بالترتیب ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۱ء میں علی کے ترجمے اور تفسیر کے نئے ایڈیشن طبع کیے۔ یہ امر باعثِ طمانیت ہے کہ اس نئے ایڈیشن کے حواشی علی کی علامتی تعبیر اور تشریح سے بڑی حد تک پاک ہیں۔ اصل ایڈیشن میں علی کی اپنی مخصوص، غیر روایتی فکر کے آئینہ دار چودہ (۱۴) ضمیمے شامل تھے۔ اس نظرِ ثانی ایڈیشن میں ان میں سے تین ضمیموں کو حذف کر دیا گیا ہے: (۱) قصۂ یوسف کی تمثیلی اور مجازی تفسیر (۲) آیتِ نور کی متصوفانہ تفسیر اور (۳) مسلم تصوّرِ جنت۔ مزید برآں اس نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن سے انشورنس اور سود کے بارے میں علی کی گم راہ کن تعبیرات کو بھی خارج کر دیا گیا ہے۔ حجاب کے بارے میں علی کی آزاد خیالی کے غمّاز ایک تفسیری حاشیے میں مدیران نے مناسب ترمیم کی ہے، لیکن بنگلورو ہائی کورٹ نے اپنے ۲۰۲۲ء کے حجاب سے متعلق فیصلے میں علی کے اصل ایڈیشن کی اس مغالطہ کن عبارت کو قولِ فیصل کے طور پر استعمال کیا

ہے۔(اس اجمال کی تفصیل آگے پیش ہے۔) جہاد اور عشقِ الٰہی کے بارے میں علی کی فاش اغلاط کی اصلاح نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں کردی گئی ہے، کیوں کہ نظر ثانی کے پس پشت ان مدیران کا مقصود عقائد، فقہی احکام اور دیگر امور کے بارے میں علی کی غیر اسلامی فکر کی زائیدہ غلط فہمیوں کو رفع کرنا تھا۔

ایک دارالافتاء ہی پر کیا موقوف، ۱۹۹۰ء کے بعد متعدد فضلاء نے اسلامی نقطۂ نظر سے علی کی تصنیف میں شدید بے احتیاطی، آزادروی اور انحراف کی نشان دہی کی، مثلاً صالح سلیم علی، عرفات، باسم بدر، مظفر اقبال، خلیل محمد، امین الحسن رضوی، مجلس العلماء جنوبی افریقہ[۲۲] اور اہل البیت ڈیجیٹل اسلامک لائبریری پروجیکٹ۔[۲۳]

البتہ علی کی نظریاتی کج روی کے اصل پس منظر اور اسباب اور عوامل کی انتہائی عالمانہ اور بلیغ تشخیص حال (ستمبر ۲۰۲۲ء) میں ایک یمنی فاضل جامعۃ البیضاء کے استاد ڈاکٹر عبدالسلام الہتاری نے موقر مجلّے International Journal of Linguistics and Translation Studies میں کی ہے۔[۲۴] ذیل میں اس کے پرمغز ملخّص نکات پیش ہیں:

☆ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے بالمقابل علی کی تفسیر اسماعیلی باطنیت اور تاویل کی نمائندہ ہے۔ علی شیعہ داؤدی بوہرہ اسماعیلی تھے۔

☆ ان کے فلسفیانہ افکار پر افلاطونی اور یونانی فلسفے کا غلبہ ہے۔ چوں کہ ابن سینا بھی اسی فکر سے متاثر ہوئے تھے، ان کے افکار کی بازگشت بھی علی کے ہاں ملتی ہے، لیکن اصلاً ان کی فکر اور آراء کا منبع اور ماخذ اسماعیلی باطنی فکر ہے۔

☆ اسماعیلی فکر/فرقے کا آغاز تیسری صدی ہجری/نوی صدی عیسوی میں ہوا۔ سلطنتِ فاطمیہ کے خاتمے پر وراثت کے تنازعے میں اسماعیلی دو (۲) گروہوں میں تقسیم ہوگئے، جو نزاری اور مستعلو یہ یا طیبی کے ناموں سے موسوم ہیں۔ چھٹی/ بارہویں صدی میں سلطنت کے زوال کے بعد یمن اس فرقے کا دعوتی مستقر رہا۔ جن تاجر پیشہ اسماعیلیوں نے ہندوستان کے ساحلی علاقے بالخصوص بمبئی اور اس کے اطراف میں

سکونت اختیار کی انہیں عرفِ عام میں بوہرہ کہا گیا۔ دسویں/سولہویں صدی میں طیبی اسماعیلی فرقے کا مرکز ہندوستان ہوگیا۔

☆ دورِ حاضر میں باطنیت سیکولر، جدید رجحانات کے قالب میں ڈھل گئی ہے۔ دونوں کا مقصود بنیادی اسلامی عقائد کی بیخ کنی ہے۔

☆ مسلمان مفکرین میں ابن سینا اور نصیر الدین طوسی بہ طورِ خاص باطنی فکر سے متاثر ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی تصنیف 'الردّ علی المنطقیین' میں یہ بصیرت افروز تجزیہ پیش کیا ہے کہ یہ نام نہاد منطقی عقل پرست حضرات امورِ غیب کو کیسے اپنا تختۂ مشق بناتے ہیں اور عرش، قلم، کرسی اور جنت و دوزخ کے بارے میں کیسے شکوک وشبہات کی تخم ریزی کرتے ہیں۔امورِ قرآنی کی باطنی تاویل کے سرخیل ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) ہوئے ہیں۔

☆ اسماعیلی فرقے کے عقائد میں خشتِ اول کلمۂ طیبہ یا توحید اور رسالت کا اقرار نہیں، بلکہ اپنے فرقے کے داعیٔ مطلق کی اطاعت کو حاصل ہے۔تعطیل، وحدۃ الوجود اور تاویل کی پیچ در پیچ تشریحات کے ذریعہ بنیادی اسلامی عقائد منہدم ہوجاتے ہیں۔باطنیت کی رُو سے حیات بعد الموت ممکن نہیں۔ وہ صرف تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔اسی فکر کے زیرِ اثر وہ جنت و دوزخ اور جزا وسزا کے منکر ہیں۔علی کے ہاں ان تمام امورِ غیب کو مجازی، تمثیلی یا علامتی ہونے پر اصرار اسی باطنی ذہن کی چغلی کھاتا ہے۔

☆ وحدۃ الوجود، تعطیل الصفات اور عرفان جیسی اصطلاحات اور تصوف کے لبادے میں باطنیت بنیادی اسلامی عقائد کی منکر ہے۔اس طرزِ فکر کے نمائندہ ابن عربی اور حلّاج ہیں۔

☆ باطنی فکر کے مطابق قرآن مجید حضرت جبرئیلؑ کے توسّط سے نازل کردہ کلام اللہ نہیں، بلکہ یہ صرف حضرت محمد ﷺ کا الہام ہے۔لہٰذا یہ امر چنداں حیرت انگیز نہیں کہ اپنے انگریزی ترجمے میں وحی اور اس کے متعلقات کے لیے علی نے معروف متبادل انگریزی لفظ Reveal نہیں، بلکہ اس کے بجائے ہر جگہ لفظ Inspire (الہام ہونا) کو ترجیح دی ہے۔

☆ اپنے دیباچے اور کتابیات میں علی نے فہرست یقیناً متداول تفاسیر کی دی ہے، لیکن ان پر برائے نام بھی انحصار نہیں کیا ہے، اصلاً ان کی تصنیف تفسیر بالرائے کا نمونہ ہے۔اس ضمن میں صرف ایک وہ مثال پیش ہے جس کو بطورِ سند بنگلورو ہائی کورٹ کے فاضل ججوں نے اپنے اس فیصلے میں استعمال کیا ہے کہ حجاب اسلامی حکم نہیں ہے۔

سورۃ الاحزاب آیت ۵۹ میں حکمِ الٰہی ہے:

يَآَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی صاحب زادیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں۔''

آیت کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيماً ''اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔'' علی نے اپنے تفسیری حاشیے میں قرآنی حکم پر گرہ یہ لگائی ہے: ''یہ حکم مطلق نہ تھا۔ اگر کسی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکے تو (یاد رہے کہ) اللہ تعالیٰ مہربان اور بخشنے والا ہے۔''[۲۵] ہائی کورٹ کے فاضل ججوں نے علی کی اس رائے کو بہ کمال مسرّت اپنے فیصلے میں شامل کیا اور ان کی اس تاویل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مقدس کتاب میں اس رائے کی حمایت میں گنجائش ہے کہ حجاب کی صرف ترغیب دی گئی ہے۔''[۲۶] بہ الفاظ دیگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں، جس کے مسلمان پابند ہوں۔علی کے اس گم راہ کن ترجمے کے بارے میں بنگلورو ہائی کورٹ کے توصیفی کلمات معنیٰ خیز ہیں:

''ابتداء میں ہم اس نکتے کو واضح کر دیں کہ ان معاملات میں ہماری تفتیش مسلمان عورتوں میں حجاب کے استعمال اور نوعیت کے بارے میں ہے اور اسی سے متعلق ہم مقدس قرآن اور اسلامی قانون کے دیگر مآخذ کا حوالہ دیں گے۔سماعت کے دوران قرآن کی مختلف تفاسیر کے حوالے دیے گئے......البتہ اس عدالت نے درج ذیل تفسیر کو ترجیح دی The Holy Quran : Text, Translation and Commentary از عبداللہ یوسف علی۔عدالت میں عبداللہ یوسف علی کی تفسیر کے مستند اور قابلِ اعتبار

ہونے کے بارے میں اتفاق رائے تھا۔ اس مصنف کا ذہن قیاسی اور استنباط کا حامل ہے۔ انہوں نے قرآنی آیات کا مطالعہ ان کے مناسب تناظر میں کیا ہے۔ انہوں نے اصولوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو زیریں سطح پر اتحاد اور اتفاق کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اس عالی شان تصنیف میں منظّم جامعیت ہے اور پیش کش معیاری ہے..........عبداللہ یوسف علی کی تشریح پر ہمارے انحصار کی ایک اور وجہ ہے۔ عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) نے متعدد مقدمات میں اس کا استعمال ایک مستند تصنیف کے طور پر کیا ہے، مثلاً (طلاق ثلاثہ سے متعلق) سائرہ بانو مقدمے کے فیصلے کے پیرا گراف ۱۷ اور ۱۸ میں عدالت عظمیٰ کے مشاہدات یہ ہیں: ''سماعت کے دوران میں عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے اور تشریحِ قرآن (مطبوعہ کتاب بھون، ۱۴واں ایڈیشن، ۲۰۱۶ء) کے حوالے دیے گئے۔ دونوں فریقین کے فاضل وکلاء نے تعریف کی کہ اس تصنیف کا متن اور ترجمہ مستند ترین ہے اور اعتماد کے ساتھ اس پر انحصار کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تصنیف سے متن اور نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ عدالت میں کسی نے بھی اس مصنف کے علم وفضل سے اختلاف نہیں کیا اور ان کی تشریح مستند ہونے کی تردید نہیں کی۔ سورتوں اور آیات پر مصنف کی تشریح کو ہم نے بھی بصیرت افروز پایا۔ ان کی تشریح عقل اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔''[۲۷]

شاہ بانو مقدمے (مسلم مطلقہ عورت کے نان ونفقہ کا معاملہ) میں اپنے فیصلے مورخہ ۲۳/اپریل ۱۹۸۵ء میں سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۱ میں مستعمل قرآنی لفظ 'متاع' کے بہ طور نان ونفقہ معنیٰ سپریم کورٹ نے عبداللہ یوسف علی ہی کے ترجمے سے مستعار لیے تھے، جب کہ دیگر انگریزی اور اردو مترجمین نے 'متاع' کے لیے لفظ Provision یا Present[۲۹] سامان یا تحفے کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ اردو مترجمین نے 'متاع' کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔'' (مودودی)، 'فائدہ' (محمد جوناگڑھی)، 'قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا' (تقی عثمانی) 'دستور کے مطابق کچھ دینا دلانا' (امین احسن اصلاحی) 'کچھ فائدہ پہنچانا' (تھانوی)

زیرِنظر آیتِ قرآنی ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۲۴۱)

''طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے۔''

معاشرتی فلاح و بہبود کے پیش نظر یہاں قرآن کا حکم ہے کہ تفریق کے وقت تالیفِ قلب کے لیے خوش اسلوبی اور خوش دلی سے مطلّقہ عورت کی مدد کی جائے۔ چوں کہ سپریم کورٹ کے پیش نظر علی کا گم راہ کن ترجمہ بہ معنیٰ 'نان ونفقہ' تھا، اس لیے اس نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ شوہر عمر بھر مطلّقہ عورت کو نان ونفقہ دینے کا پابند ہے۔[۳۰]

سائرہ بانو مقدمے کا تعلق طلاقِ ثلاثہ سے تھا۔ اپنے فیصلے مؤرخہ ۲۲/اگست ۲۰۱۷ء میں متعلقہ آیات کے ترجمے اور تشریح کے لیے سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے علی ہی کی ترجمے پر انحصار کرلیا تھا۔ اس ناقص ترجمے پر عدالتِ عظمیٰ کی عنایت خسروانہ کچھ اس شعر کے مصداق ہے ؎

اے مرے چارہ گر تیرے بس میں نہیں معاملہ
صورت حال کے لیے واقف حال چاہیے (سلیم کوثر)

اہم تر نکتہ یہ ہے کہ ہمیں اس افسوس ناک صورت حال کو بدلنا چاہیے۔ عدالتِ عظمیٰ اور اربابِ حلّ وعقد کو علی کے گم راہ کن مندرجات سے آگاہ کرنا چاہیے اور مسلمان اہلِ قلم کے حالیہ معیاری انگریزی تراجمِ قرآن سے استفادے پر اصرار کرنا چاہیے، مثلاً تقی عثمانی، تقی الدین ہلالی، عبدالماجد دریابادی، صحیح انٹرنیشنل، احمد ذکی حماد، طریف خالدی، مصطفیٰ خطاب اور مفتی افضل حسین الیاس وغیرہ کے محشّٰی تراجم اور تفاسیر۔[۳۱]

ابھی تک ذکر علی کے ضرر رساں ترجمے اور تفسیر کا تھا۔ اسلامی قانون سے متعلق ملک کی عدالتوں میں دو اور تصانیف کلیدی اہمیت کی ہیں:

(۱) ملّا کی (۱۹۰۶ء) Principles of Mahomedan Law

(۲) آصف فیضی کی (۱۹۷۴ء) Outlines of Muhammadan Law

ملّا سے مراد کوئی روایتی مولانا یا عالم دین نہیں، بلکہ زرتشتی مذہب کے پیروکار، عرف عام میں پارسی مصنف سر ڈنشا فردونجی ملّا ہیں۔ رہے آصف فیضی تو آزاد

خیالی اور شریعت کا استخفاف ان کی امتیازی صفات ہیں۔ بقول شاعر ناصر کاظمی ؎

میرا علاج میرے چارہ گر کے پاس نہیں

موجودہ صورت حال عبرت ناک بھی ہے اور تشویش ناک بھی۔ اس کے تدارک کے لیے جلد عملی اقدامات ضروری ہیں، ورنہ آئندہ بھی مقدمات میں شریعت کی صحیح اور مؤثر ترجمانی نہیں ہوگی اور ہزیمت پر ہزیمت ہمارا مقدّر رہوگی۔

حواشی ومراجع

۱- بحمداللہ دنیا کی زیادہ تر زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم دست یاب ہیں۔اس ضمن میں کنگ فہد قرآن سینٹر مدینہ منورہ، سعودی عرب اور اسلامی دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد، پاکستان کی خدمات لائقِ ستائش ہیں۔ان تراجم کی جامع کتابیات کے لیے دیکھیے:

Ihsanoglu, Ekmeledin (Ed), World Bibliography of Meanings of the Holy Quran: Printed Translations 1515-1980. Istanbul, Turkey, OIC Research Centre for Islamic History, 1986.

۲-تقریباً سو(۱۰۰) مکمل انگریزی تراجمِ قرآن پر نقد ونظر کے لیے دیکھئے:

- Ali,Muhammad Mohar,The Quran and the+ Orientalist, Nonwich,U.K, Jmaiyat Ihyaa Minhaaj Al-Sunnah, 2004
- Hammad, Ahmad Zaki," Representing the Quarn in English "in The Gracious Quran: A Modern-Phrased Interpretation in English. Lisle, LA, USA, Lucent,2007 .pp.67-87.
- Khalifa ,Mohammad, "English Translations of the Quran " in The Sublime Quran and Orientalism. London, Longman , 1983, pp: 64-79
- Kidwai, Abdur Raheem, Bibliogaraphy of the translations of the meanings of the Glorious Quran, into English 1649-2002. Madina, saudi Arabia, Ministry of islamic Affairs, King Fahd Quran Printing Complex, 2007
- Kidwai, Abdur Raheem, Translating the Untranslatable :A Critical Guide to 60 English Translations of the Quran. New Delhi, Saruop Book, 2011.
- Kidwai, A bdur Raheem,God's Word, Man's Interpretations: A Critical Study of the 2Ist Century English Translations of The Quran, New Delhi, Viva Books, 2018.

- Mohammed Khaleel,"Assessing English Translations of the Quran "Middle East Quarterly .122 Spring .2005, pp:58-71.
- Nadvi, Abdullah Abbas, Translations of the Meanings of The Holy Quran and the Development of Its Understainding in the West,Makkah, Muslim World League, 1996.
- Robinson, Neal, "Sectarian and Ideological Bias in Muslim Translations Of The Quran," Islam and Christian-Muslim Relations,8:3 (1997),PP.261-278

۳۔ راقم الحروف کی مذکورہ بالا Bibliography (۲۰۰۷ء) میں ۲۰۰۲ء تک عبداللہ یوسف علی کے ترجمے اور تفسیر قرآن کے ۲۰۴ ؍ایڈیشنوں کے مکمل کوائف درج ہیں۔صفحات ۸۔۷۶۔ یہ تعداد ۲۰۰۲ء تک کی ہے۔اب تک اس میں یقیناً معتد بہ اضافہ ہوا ہوگا۔

4. Adur Raheem,Kidwai,"Abdullah Yusuf Ali's Views on the Quranic Eschatology, Muslim World League Journal 12:5 (February 1985),PP.14-17
5. Abdullah Yusuf Ali, the Meaning Of the Glorious Quranic :Translation and Commentary .Cairo Dar Al-Kitab Masri n.d.
6. Ibid, ,2, 16,99,no . 5999-6000
7. Ibid,2, 1709,n.6051
8. Ibid,2, 1,22, n:44
9. Ibid,2,1352 ,n. 4728
10. Ibid,2,780, n.2513 and 2,1339, n:4671
11. Ibid,2,354, n.1028
12. Ibid,2,1658,nn.5849-5854
13. Ibid,2,1675-76,nn.5905-5908
14. Ibid,2,210,n.612
15. Ibid,2,350, n.1019
16. Ibid,2,1601,n.5661
17. Ibid,1,484,n.1390
18. Ibid,2,251,n.733and 1,147,n.499
19. Ibid,1,319,n.929
20. Ibid,1,45,n.104
21. Ibid,2,1625,n.5728

۲۲۔ان فضلاء کے محاکے کی طباعتی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Abdur Raheem,Kidwai, Translating the Untranslatable Op at.pp.329.333

۲۳۔ عبداللہ یوسف علی کی تصنیف اور اس کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن پر اس شیعہ ادارے کا محاسبہ معنیٰ خیز ہے۔ ان کو شدید شکایت اور تاسّف اس امر پر ہے کہ عبداللہ یوسف علی کے مندرجہ ذیل حواشی کو ان کی تصنیف کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن سے حذف کردیا گیا ہے۔ یہ حواشی عبداللہ یوسف علی کی رافضیت پر دال ہیں۔

☆ آل عمران آیت ۱۴۰ میں غزوۂ احد پر قرآنی تبصرہ ہے اور ذکر شہداء کا آیا ہے۔ عبداللہ یوسف علی نے حضرت حمزہؓ کے پہلو بہ پہلو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی بطور شہید خراج تحسین پیش کیا ہے۔

☆ النساء آیت ۶۹ میں قرآن کریم نے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی توصیف کی ہے۔ عبداللہ یوسف علی نے شہداء کے ذیل میں صراحت حضرات حسنؓ و حسینؓ کے ناموں کی کی ہے۔

☆ الصافات آیات ۱۰۷ میں حکم الٰہی کے تحت حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے لیے تلمیح 'ذبح عظیم' کی آئی ہے۔ عبداللہ یوسف علی نے اس کا مصداق حضرت حسینؓ کو بھی قرار دیا ہے۔

☆ البقرۃ آیت ۱۹۱ پر اپنے تفسیری حاشیے میں عبداللہ یوسف علی نے رسول اکرم ﷺ کے لیے لقب 'امام' اختیار کیا ہے۔ 'امام' کا استعمال انہوں نے البقرۃ آیت ۲۱۶ کی توضیح میں بھی کیا ہے۔

☆ التحریم آیت ۱ کی شانِ نزول کے طور پر عبداللہ یوسف علی نے حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کی بے تمیزی بیان کی ہے، جو رسول اکرم ﷺ کے لیے باعثِ اذیت ہوئی۔

24. Abdusslam Al-Hitari,"The Underlying Esoteric Ismaili Doctrine in Abdullah yusuf Al's Translation of the Quran",International Journal of Linguistics and Trnslation Studies ,3(3),September 2022,PP:125-145

25. Abdullah yusuf Ali,n.3767

26. Karnataka High Court Judgment , W.P No 2347 of 2022, .P.65

27. Ibidpp60-62

28. Muhammad Marmaduke Pickthall,Al-Quran Al-karim Translated into English.Islamabad Pakistan, Islamic Research Institute ,1988,P.24

29. Abdul Majid Daryabadi ,The Glorious Quran Leicester ,Islamic Foundation ,2008, P.90

30. Supreme Court of india.Date of Judgement 23/04/1985 http:Judis.NIC.in,P.12

۳۱۔ ان انگریزی تراجم قرآن کے محاسن اور معایب کے لیے دیکھیے:

- Abdur Raheem Kidwai ,Translating the Untarnstable op.at.
- Abdur Raheem Kidwai God's word ,Man's Intererpretions op.at.

مغربی ممالک کا نظامِ طلاق

قانونی ومعاشرتی جائزہ

———————— مولانا کمال اختر قاسمی

مغربی ممالک میں طلاق کے قانون میں متعدد اصلاحات ہوئی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ وہاں طلاق کا آزادانہ استعمال نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لیے کسی نہ کسی خاص سبب کا ہونا ضروری ہے۔ وہاں طلاق کے متعینہ اسباب کے تعلق سے دو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، وہ یہ کہ طلاق سزا کے طور پر ہے، یا کسی مسئلہ کے حل کے طور پر۔ اسبابِ طلاق فرانس کے قانون میں طلاق کا نفاذ سزا کے طور پر کیا جاتا ہے، یعنی طلاق کے وہی اسباب معتبر ہوں گے جن میں کسی جسمانی یا ذہنی مجرمانہ اقدام کا تذکرہ ہو۔ وہاں طلاق کی اجازت کے تین بنیادی اسباب ہیں:

(۱) کسی دوسرے سے جسمانی رابطہ

فرانس کے قانون میں کسی اور سے جسمانی تعلق قائم کرنا طلاق کا حتمی سبب ہے، خواہ اس کا ارتکاب شوہر کرے یا بیوی۔ فرانسیسی آئین کے آرٹیکل ۲۷۷ کے مطابق اگر بیوی سے اس عمل کا ارتکاب ہوتا ہے تو شوہر کو اختیار ہے کہ وہ متعلقہ سرکاری اداروں سے طلاق کا مطالبہ کرے اور آرٹیکل ۲۷۷ میں اس کی صراحت ہے کہ اگر شوہر سے اس عمل کا صدور ہوتا ہے تو بیوی کو بھی طلاق کے مطالبے کا حق ہے۔

(۲) جسمانی تشدّد اور مجرمانہ اقدام

طلاق لینے کا دوسرا اہم سبب جسمانی تشدّد اور مجرمانہ اقدام ہے، یعنی فریقین میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ جسمانی تشدد یا اس قبیل کے کسی عمل کا ارتکاب کرے تو

دوسرے کو حق ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے اور عدالت سزا کے طور پر طلاق دلائے۔
آئین فرانس کے آرٹیکل ۲۴۷ کے مطابق زوجین میں سے کسی کے ساتھ جسمانی تشدد یا ایسا عمل کیا گیا ہو، جس سے اس کے جسم اور شرف وحیثیت مجروح ہوئی ہو تو اس کو طلاق لینے کا حق ہے۔ جسمانی تشدد میں ہر وہ عمل شامل ہے جس سے جسم کو تکلیف پہنچے اور شرف و حیثیت اور عزت نفس پر آنچ آئے۔ البتہ جس فریق کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اسے کورٹ میں اس مجرمانہ زیادتی کو ثابت کرنا ہوگا۔ اگر دوسرے فریق کی طرف سے کیا گیا عمل تادیبی کارروائی کے تحت آتا ہو اور یہ ثابت بھی ہو جائے تو اس کو طلاق کا سبب قرار نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ یہ زیادتیاں متعلقہ کورٹ کے ذریعہ تحقیقات کے بعد ثابت بھی ہوگئی ہوں، صرف یک طرفہ دعوے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ رشتۂ ازدواجیت سے منسلک رہنے کے دوران میں یہ زیادتی ہوئی ہو۔ شادی سے پہلے اگر شناسائی تھی اور اس وقت کوئی زیادتی ہوئی تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ [۱]

(۳) سخت مزاجی اور اہانت آمیز روّیہ

مسلسل سخت مزاجی ، برے اور ناپسندیدہ معاملات، توہین اور اہانت آمیز رویے اور مسلسل گالی گلوج کو بھی طلاق کا حتمی سبب قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام اسباب جب پختہ ثبوتوں کے ذریعہ ثابت ہو جائیں اور کسی فریق کی طرف سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے تو عدالت کے لیے لازمی ہے کہ ان کے درمیان طلاق کا فیصلہ کر دے۔

ان اسباب کے علاوہ بعض دیگر اسباب کو بھی وجہ طلاق تسلیم کیا گیا ہے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ برا معاملہ کرے، یا کسی کو شدید خوف ناک بیماری لاحق ہو جائے، یا عقل میں خلل ہو جائے ، یا شوہر کی مردانہ قوت میں کمی آ جائے وغیرہ، یعنی ایسے اسباب پیش آ جائیں جو کسی کی خوش گوار زندگی میں مشکلات پیدا کر دے تو طلاق لینے کا مکمل اختیار ہو جاتا ہے۔ [۲]

فرانس اور چند مغربی ممالک کے علاوہ دیگر ملکوں مثلاً امریکہ، برطانیہ، اٹلی، جرمنی وغیرہ میں طلاق کا نظریہ الگ ہے۔ وہاں طلاق ایک مجرمانہ عمل کی سزا کے طور پر

نہیں دی جاتی، بلکہ وہ باہمی پیچیدگیوں اور مشکلات کا حل ہے۔اس لیے ان ملکوں میں طلاق کے قانون میں بہت وسعت ہے، معمولی پریشانی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے بھی فریقین طلاق کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور عدالت کو طلاق کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ان ممالک میں بھی طلاق کے متعلق پہلے فرانسیسی قانون کی طرح سختی تھی،لیکن بعد میں اس کی اصلاحات کی گئیں اور طلاق کے اسباب میں وسعت پیدا کی گئی۔[۴۳]

وقوع طلاق کا طریقہ

مغربی ممالک میں طلاق کی اقسام نہیں ہیں اور نہ اس کے لیے کچھ خاص الفاظ ہیں۔وہاں صرف ایک ہی طریقہ رائج ہے۔وہ یہ کہ متعلقہ محکمہ میں دونوں میں سے کوئی فریق طلاق کی وجوہ ذکر کرتے ہوئے ڈاکومنٹ جمع کر کے طلاق کی درخواست کرتا ہے۔ متعلقہ محکمہ دوسرے فریق کو طلب کر کے اس سے طلاق کی دستاویز پر دستخط کرا کر طلاق کا فیصلہ کر دیتا ہے۔[۴۴]

مغربی ممالک بطور خاص انگلینڈ، ویلز، فرانس اور اٹلی وغیرہ میں کسی آپسی بگاڑ اور لڑائی جھگڑے کی بنیاد پر فوراً طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے اور نہ اس طرح کی طلاق کو قابلِ قبول مانا جاتا ہے۔

طلاق کے لیے مرحلہ وار اقدامات ضروری ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ

تفصیلی درخواست، جس میں اس کی صراحت ضروری ہے کہ وہ لوگ آپس میں کم از کم ایک سال سے شادی شدہ ہیں، اس کے ساتھ طلاق کے مندرجہ ذیل اسباب میں سے کسی کو پختگی کے ساتھ بنیاد بنانا ضروری ہے، پھر ان ذکر کردہ اسباب کی تفتیش کے بعد عدالت مناسب فیصلہ کرتی ہے۔

طلاق کی درخواست میں درج ذیل امور کی وضاحت ضروری ہے:

(الف) ناجائز جسمانی تعلق

فریق مخالف کے بارے میں یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ اس نے مخالف جنس

(دوسرے مرد یا دوسری عورت) کے ساتھ جسمانی رابطہ کیا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہے۔ جس طرح عورت کے کسی مرد سے ناجائز جسمانی رشتہ رکھنے کی وجہ سے مرد طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے شوہر کے کسی دوسری عورت کے ساتھ ناجائز جسمانی رشتے رکھنے کی صورت میں طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ جسمانی تعلق کے بجائے کوئی دوسرا جنسی رابطہ یا موافق جنس کے ساتھ تعلق ہو تو اس کی وجہ سے طلاق کا اختیار نہیں رہتا۔[۵]

(ب) ناقابل برداشت اور غیر مناسب رویہ

دوسرے فریق کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کے ایسے ناقابل برداشت اور غیر مناسب رویے ہیں کہ ایک ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے۔

(ج) باہمی رضامندی کے ساتھ کم از کم دو سال سے علیحدگی

یعنی اگر کوئی ایک اپنے شریک حیات سے دو سال سے علیحدہ ہو اور دوسرا طلاق کے لیے راضی ہو، یا پانچ سال سے الگ ہو۔

(د) گھر سے نکال دینا

ایک دوسرے کا کسی کو گھر سے نکالنا مغربی قانون کے مطابق قابل سزا جرم ہے اور بھگانے والے کو سنگین مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی کے ساتھ یہ طرز عمل کیا گیا ہے تو اس کو طلاق لینے کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے۔

طلاق کی اجازت کے لیے مندرجہ بالا اسباب میں سے کسی ایک کا طلاق کے لیے دی گئی درخواست میں صراحت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر طلاق کی درخواست رد کردی جاتی ہے۔[۶]

دوسرا مرحلہ

وکیل طلاق کی درخواست مکمل کرنے کے بعد اسے مقامی طلاق سینٹر میں بھیج دیتا ہے، جہاں کورٹ کے ذریعے دستاویز کی مکمل جانچ کرائی جاتی ہے اور شوہر یا بیوی کے پاس اس کی کاپی ارسال کردی جاتی ہے۔ طلاق کی دستاویز کے ساتھ یہ سوال نامہ

بھیجا جاتا ہے کہ اس معاملے کو کیسے حل کیا جائے۔ فریق ثانی کے لیے جواب دینے اور طلاق کے معاملے کو آگے بڑھانے کے لیے سات (۷) ہفتے کا وقت مقرر کیا جاتا ہے، جس میں اس کو کورٹ میں حاضر ہونا اور واضح جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔

تیسرا مرحلہ

طلاق کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ فریق ثانی کے جواب کے بعد ایک درخواست عدالت میں جمع کرنی ہوتی ہے، جس میں کورٹ سے درخواست کی جاتی ہے کہ جج کے سامنے ان دستاویزات کو لایا جائے اور جج ان کی روشنی میں فیصلہ سنائے۔

چوتھا مرحلہ

طلاق کا چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ چھ (۶) ہفتے انتظار کے بعد مدعی کو پھر ایک تیسری درخواست عدالت میں جمع کرنی ہوتی ہے، جس میں کورٹ سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اب مطلق آرڈر جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس مرحلے میں آکر جج نکاح کے ختم ہوجانے کا اعلان کرتا ہے۔[۷]

امریکہ میں طلاق کے قوانین

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نکاح کے قوانین کی طرح طلاق بھی ریاستی حکومتوں کے اختیارات کے تحت آتی ہے۔ چنانچہ مختلف ریاستوں میں طلاق کے الگ الگ قوانین ہیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے پہلے طلاق دینے والے شوہر یا بیوی کو ایک دوسرے کی ایسی غلطی یا ایسے ظالمانہ روّیے کو پختہ ثبوتوں کے ساتھ ثابت کرنا ضروری تھا جن کی بنیاد پر اسے مجرم ثابت کیا جاسکے۔ ۲۰۱۰ء میں اس قانون کو منظوری مل گئی کہ شوہر بیوی کے درمیان معمولی اختلاف یا عدم مطابقت کی بنیاد پر بھی کورٹ کے ذریعے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو اپنی زندگی میں کوئی اور (عورت یا مرد) پسند آجائے تو اسے وجہ بتائے بغیر بھی ایک دوسرے سے قانونی علیٰحدگی کا مکمل اختیار ہے۔[۸]
طلاق کے اصول وضوابط اور اس کی کاروائیاں وفاقی ادارے کے بجائے ریاستی حکومت کی

طرف سے انجام دی جاتی ہیں۔جس ریاست میں جوڑے رہائش پذیر ہیں وہیں طلاق کی قانونی کارروائی انجام پائے گی،خواہ نکاح کسی دوسری ریاست میں ہوا ہو۔ نکاح کی دستاویز کے ساتھ طلاق کی درخواست دینا ضروری ہوتی ہے،جس پر چھ(۶)ہفتوں کے اندر کارروائی کردی جاتی ہے۔بعض صورتوں میں حکومتی ادارے سادہ طلاق کو بھی تسلیم کرتے ہیں،جس میں ہر ایک کو طلاق لینے یا دینے کا اختیار ہوتا ہے۔اس کے لیے یہ شرائط ناگزیر ہیں کہ نکاح کو پانچ برس کی مدت گزر گئی ہو،کوئی بچہ ساتھ نہ ہو،کوئی حقیقی پراپرٹی ایک ساتھ نہ ہو،نکاح کے بعد سے چھ ہزار ڈالر سے زیادہ کسی طرح کا قرض نہ لیا گیا ہو۔موجودہ رہائشی مکان کے علاوہ کوئی اور پراپرٹی کرائے پر نہ لی گئی ہو اور نکاح کے دوران حاصل کی گئی پراپرٹی گاڑیوں وغیرہ کی تقسیم پر دستخط شدہ تحریر جمع کی جائے۔ ۹

مغرب میں طلاق کی شرح

مغربی ممالک میں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے۔دفتر برائے قومی اعداد وشمار کی رپورٹ میں درج ہے:

> In 2011 42% of marriages ended in divorce 34% of married couples divorce before thire 20th wedding anniversary thats more than one in three.(10)
>
> ’’۲۰۱۱ء میں ۴۲فی صد شادیاں طلاق کی نذر ہوگئیں۔عام طور پر شادی شدہ جوڑوں میں سے ۳۴ فی صد جوڑے اپنی بیسویں سالگرہ سے قبل ہی طلاق دے دیتے ہیں، جو کل شادی شدہ جوڑوں کے تین میں ایک سے بھی زیادہ ہے۔‘‘

مغرب میں طلاق کی شرح

سرکاری محکمۂ اعداد وشمار میں طلاق کی شرح کا اندازہ کرنے کے لیے متعدد پیمانوں کا استعمال کیا جاتا ہے،مثلاً برطانیہ کی پوری آبادی میں سے ایک ہزار مرد اور ایک ہزار خواتین کو پیمانہ بنا کر ایک رپورٹ تیار کی گئی۔ ۲۰۰۹ء میں ۱۵سال سے زائد عمر کی

خواتین میں طلاق کی شرح ایک ہزار میں ۹/اعشاریہ ۷ فی صد ہے اور مردوں میں یہی فی صد کم ہو کر ۹/اعشاریہ ۲ فیصد ہے۔ حکومت فرانس کے محکمۂ اعداد و شمار نے اپنی ویب سائٹ پر جو تفصیلات درج کی ہیں ان میں ۲۰۰۴ء کو بنیاد بناتے ہوئے ۲۰۱۶ء تک کی طلاق کی تعداد کو شامل کیا ہے۔ ۲۰۰۴ء میں طلاق کی کل تعداد ایک لاکھ اکتیس ہزار تین سو پینتیس (۱،۳۱،۳۳۵) تھی، جب کہ ۲۰۱۶ء میں ایک لاکھ اٹھائیس ہزار تینتالیس (۱،۲۸،۰۴۳) ہو گئی۔ درمیان کی مدت میں چند ہزار کی کمی بیشی کے ساتھ یہی تعداد رہی۔ اس رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ ۲۰۱۴ء میں ۱۰۰/شادیوں میں سے ۵۲ طلاق پر ختم ہوئیں۔ فرانس کا محکمۂ اعداد و شمار ان تفصیلات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ طلاق کی تعداد میں اگرچہ کمی آئی ہے، لیکن جس طرح شادیوں سے زیادہ طلاق کا وقوع ہوا ہے، یہ پورے مغربی ممالک کے لیے نہایت گمبھیر مسئلہ ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

> in 2016 the number of divorce in france was of 1,28,043 compared to 1,31,335 in 2014. France had a number wich was not one of the highest in Europe but that emphesizes the fact that in recent years,divorce is a phenomenon with a significant impact on western countries.(11)
>
> ’’فرانس میں ۲۰۱۶ء میں طلاق کی تعداد ۱،۲۸،۰۴۳ تھی، جو ۲۰۱۴ء کے مقابلے میں کم ہے، کیونکہ ۲۰۱۴ء میں ۱،۳۱،۳۳۵ تھی۔ فرانس میں طلاق کی یہ تعداد دوسرے یورپی ممالک کے مقابلے میں زیادہ تو نہیں ہے، لیکن یہ تعداد اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ طلاق کا یہ رجحان مغربی ممالک کے لیے سنگین مسئلہ ہے۔‘‘

کثرتِ طلاق کی وجوہ

مغربی عائلی معاملات کے ماہرین نے طلاق کی بڑھتی ہوئی تعداد کی متعدد وجوہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور جدید معاشرتی امور کے تجزیہ نگاروں نے بھی ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ برطانیہ، ویلز اور دیگر مغربی ممالک کے قومی شماریات کے دفاتر نے

۲۰۱۲ء میں طلاق کے لیے دی گئی درخواستوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان اسباب کی نشان دہی کی ہے جن کو طلاق کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا تھا:

(۱) ناقابل برداشت اور غیر مناسب سلوک

رپورٹ کے مطابق مغربی ممالک میں ۴۵ فی صد طلاق کی سب سے بڑی اور عام وجہ ایک دوسرے کے ساتھ ناقابل برداشت اور غیر مناسب سلوک ہے۔اس میں جسمانی تشدد، زبانی زیادتی، نشے میں اضافہ اور گھریلو اخراجات کی ادائیگی سے انکار خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان اسباب کی بنیاد پر باہمی ناچاقی اور منافرت اس قدر پروان چڑھ جاتی ہے کہ ازدواجی تعلقات کو ختم کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔

(۲) دوسال یا اس سے زیادہ مدت تک باہمی رضامندی کے ساتھ علیٰحدگی

متعدد مغربی ممالک میں طلاق کے متعلق یہ قانون ہے کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی اپنی مرضی سے دوسال تک الگ رہتا ہے تو اس کو قانونی طور پر طلاق دینے کا حق حاصل ہوجاتا ہے۔مغربی معاشرے میں ۲۷/ فی صد جوڑوں کے درمیان اس وجہ سے طلاق ہوتی ہے کہ دوسال کی مدت تک اپنی مرضی سے ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔

(۳) مخالف جنس کے ساتھ جسمانی رابطہ

۱۴/ فی صد طلاق اس وجہ سے واقع ہوتی ہے کہ مرد یا عورت کا مخالف جنس سے جسمانی رابطہ زوجین کے باہمی اعتماد کو ختم کر دیتا ہے۔اس لیے قانونی طور پر بھی اس کو طلاق کی وجہ قرار دیتے ہوئے ایک دوسرے کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

(۴) بغیر کسی اطلاع کے چلے جانا

طلاق کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو کچھ بتائے بغیر کہیں چلا جاتا ہے اور دوسال تک الگ رہتا ہے۔مغرب میں طلاق کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پس پردہ اصل وجہ یہ ہے کہ اپنی آمدنی میں سے کسی دوسرے پر کچھ خرچ کرنے یا دوسرے کے لیے مالی ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کو بوجھ سمجھا جاتا ہے، اس

لیے دونوں آزاد رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ مغرب میں ایسے جوڑوں کی بڑی تعداد ہے، جو پہلے میاں بیوی تھے، لیکن طلاق کے ذریعے رشتۂ ازدواج ختم کرکے اچھے دوست کے طور پر آزادانہ طریقے سے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔[۱۲]

(۵) مالی پریشانی

مغرب میں جہاں مال و دولت کی فراوانی ہے، وہیں انفرادیت کے جذبے کا طوفان بھی برپا ہے۔ زوجین ایک دوسرے پر اپنی کمائی کا تھوڑا حصہ بھی خرچ کرنے کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ گھریلو ضروریات میں مالی اشتراک نہ کرنے کی وجہ سے آپسی تعلقات تیزی سے بگاڑ کی طرف چلے جاتے ہیں، ساتھ ہی ان کے ذاتی مصارف اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ شادی شدہ جوڑوں کی بڑی تعداد مالی پریشانی کی وجہ سے اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کردیتی ہے۔

برطانیہ سے نکلنے والا مشہور اخبار 'انڈیپینڈنٹ' میں مغرب کے عائلی نظام پر مہارت رکھنے والے 'اسٹیفن لٹل' نے مختلف سروے کی روشنی میں انکشاف کیا ہے کہ برطانیہ میں مالی پریشانی نکاح کے خاتمے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ موصوف نے اپنے مقالہ کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے:

Money worries biggest reason for marriages ending. survey finds.

چنانچہ برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں نئے سال میں کرسمس کا اہم تہوار منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر اخراجات کافی بڑھ جاتے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق کے خواہاں جوڑوں میں بھی اچھا خاصا اضافہ دیکھا جاتا ہے۔ اسٹیفن لٹل لکھتے ہیں:

The first working Monday of the new year usually sees rise in the number of couples seeking a divorce following the stress of the festival season.

''یعنی نئے سال کے پہلے پیر کو تہوار کے موسم میں اخراجات بڑھ جانے کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرنے والے شادی شدہ جوڑوں میں کافی

اضافہ ہو جاتا ہے۔"

اس دن طلاق کے خواہاں جوڑوں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہاں کے وکلاء اس دن کو 'طلاق کا دن' سے تعبیر کرتے ہیں۔

> The first working Monday of the years is bubbed "divorce day" by lawyers because of the increase in the number of people looking to end thire marriages following the stress of Christmas and New year. (13)

> "سال کے پہلے کام والے پیر کے دن کو وکلاء 'یوم طلاق' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کیوں کہ کرسمس اور نئے سال میں اخراجات کی وجہ سے تناؤ کے بعد اپنی شادیوں کو ختم کرنے کے خواہاں افراد کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔"

قانونی فرم سلیٹر کی طرف سے دو ہزار سے زیادہ برطانوی بالغ مرد و عورت کے سروے میں بتایا گیا:

> Money warries top the first of reasons why married couples split up, with one in five saying it was the biggest cause of marital strife.(14)

> "شادی شدہ جوڑوں کے الگ ہونے کی وجوہ میں مالی فکرمندی سب سے اوپر ہے، جب کہ پانچ میں سے ایک کا ماننا ہے کہ مالی فکرمندی ازدواجی روابط کے بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔"

جب کسی تہوار کا وقت آتا ہے، بطور خاص کرسمس کے موقع پر، جس کو بہت دھوم دھام اور بڑے اخراجات کے ساتھ منایا جاتا ہے تو مالی کش مکش کی وجہ سے دراڑوں سے بھرے رشتوں میں اور زیادہ بھونچال آجاتا ہے۔اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں یہ خیال بھی رہتا ہے کہ اس کا ساتھی اپنا بوجھ نہیں اٹھا رہا ہے اور نہ اس کی کوشش کر رہا ہے تو باہمی انتشار اور ناراضی اس قدر بڑھتی چلی جاتی ہے کہ رشتۂ ازدواجیت میں ایک پل کے لیے ٹھہراؤ باقی نہیں رہتا، بلکہ یک لخت ختم ہو جاتا ہے۔

برطانیہ کی مشہور سوشل ورکر اور دفتر برائے قومی شماریات کی رکن Ms HARVEY کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۶ء میں ایک لاکھ سات ہزار جوڑوں کے درمیان طلاقیں ہوئیں۔ ان کی سب سے بڑی وجہ وہی باہمی ناراضی ہے، جو اس احساس سے پیدا ہوتی ہے کہ اس کا پارٹنر مالی بوجھ اٹھانے میں معاونت نہیں کر رہا ہے۔ مغربی ممالک خاص کر برطانیہ میں بڑھتی طلاق کی اہم ترین وجوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

> Money is always a common issue and if one person feels that their partner is not pulling their weight financially or at least try to then it can very quickly cause recentment to grow.(15)
>
> ’’پیسہ ہمیشہ عام مسئلہ رہا ہے۔ اگر ایک فریق کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا پارٹنر اس کے معاشی بوجھ کو کم نہیں کر رہا ہے، یا کم کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے تو یہ باہمی ناراضی کی سب سے اہم وجہ بن جاتا ہے۔‘‘

(۶) غلط مقاصد کے لیے نکاح کرنا

مغربی ممالک: فرانس، ویلز اور برطانیہ وغیرہ میں کثرتِ طلاق کی اہم وجوہ میں سے ایک غلط مقاصد کے لیے نکاح کرنا بھی ہے۔ چنانچہ جوڑوں کی بڑی تعداد ایک دوسرے کے ذریعہ مال و دولت کے حصول کی امید پر نکاح کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور جب مقاصد براری کی صورت نظر نہیں آتی تو رشتے کو یکلخت ختم کر دیتے ہیں۔

(۷) اپنے آپ میں مگن رہنا

مغربی ممالک میں کثرتِ طلاق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ میاں بیوی زندگی گزارنے میں خود کا ہی کردار مانتے ہیں اور ساری توجہ خود اپنے آپ پر منحصر رکھتے ہیں۔ نہ تو کسی کے انحصار کو برداشت کیا جاتا ہے اور نہ اپنے اوپر کسی کے انحصار کو قبول کیا جاتا ہے، بلکہ عام طور پر جوڑے اپنے مسائل خود حل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے کو اپنے مسائل میں شریک نہیں کرنا چاہتے اور نہ اپنے شریکِ حیات کے مسائل میں دل چسپی لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے ہر پل دوری رہتی ہے۔ فرانس کی

سپریم کورٹ کی مشہور وکیل LISA اور KIM OLVER اپنے بلاگ میں لکھتی ہیں کہ عام طور پر جوڑے اپنی زندگی سے متعلق مسائل کو خود حل کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر نہیں رہتے۔ ہر ایک کی اپنی ملازمت اور دیگر معاملات کی وجہ سے وسیع تعلقات ہوتے ہیں، جہاں ان کے لیے بہت سی دیگر دل چسپیاں ہوتی ہیں۔ زوجین کو ایک دوسرے کی ضرورت نہ ہونے اور اپنی ضروریات کی خود تکمیل کرنے کے رجحان کی وجہ سے جوڑے ایک دوسرے کی احتیاج وضرورت کو بھلا کر تمام امور میں اپنے کردار میں کھو جاتے ہیں اور دونوں کو محسوس ہوتا ہے کہ اپنی زندگی گزارنے میں اصل کردار خود ہمارا ہے، کسی اور کا نہیں۔ اس طرح کچھ ہی عرصے میں حالات ایسے بننے لگتے ہیں کہ دونوں یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم لوگ شادی شدہ جوڑا ہیں۔ اس طرح دھیرے دھیرے وہ خود ہی ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اور انہیں یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ انہوں نے شادیاں کیوں کی تھی اور ان میں مشترک چیز کیا تھی؟[۱۶]

کثرتِ طلاق کے اہم عوامل

مغربی ممالک میں طلاق کے اسباب پر سروے کرنے والی ٹیم نیشنل سینٹر برائے بائیوٹیکنالوجی (NCBI) کے ذریعہ امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں طلاق کے اسباب وعوامل کا جائزہ لینے کے لیے ایک ریسرچ کی گئی۔ ۲۰۱۶ء میں ۵۲/ افراد، جن میں ۳۱/خواتین اور ۲۱/مرد پر مشتمل Insider data Team تشکیل دی گئی۔ اس ریسرچ میں ایسے شادی شدہ جوڑوں کا مطالعہ کیا گیا جو شادی کے چودہ سال بعد طلاق یافتہ ہو گئے تھے۔ ان کے ذریعہ طلاق کی وجوہ جاننے کی کوشش کی گئی تو مندرجہ ذیل اسباب وعوامل پائے گئے:

(۱) وابستگی کی کمی اور بے وفائی

۷۵/فی صد طلاق یافتہ جوڑوں کا کہنا تھا کہ ایک دوسرے سے وابستگی کی کمی طلاق کی اہم وجہ بنی۔ سروے پروگرام میں شامل لوگوں کا کہنا تھا:

I realised it was the the lack of commitment on

my partner, because I did not really feel romantic towards him.I always had felt more steel like he was a friend to me.(۱۷)

’’مجھے احساس ہوا کہ میری طرف سے وابستگی کی کمی تھی، کیوں کہ کبھی بھی ہم اپنے پارٹنر کے سامنے رومانٹک محسوس نہیں ہوتے تھے۔ مجھے ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ ہم لوگ بس ایک دوست ہیں۔‘‘

اسی طرح ۵۹ رفی صد لوگوں نے کثرتِ طلاق کی بڑی وجہ بے وفائی، فریب اور دوسروں کے ساتھ روابط کو قرار دیا۔

(۲) لڑائی جھگڑے

سروے میں شریک ۸۵ رفی صد لوگوں نے طلاق کی اہم وجہ لڑائی جھگڑے اور بحث وتکرار کو قرار دیا۔ عام طور پر ان تنازعات کو پرسکون اور مؤثر طریقے سے حل نہیں کیا گیا، چنانچہ وہ وقت کے ساتھ بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، جن کا لازمی نتیجہ طلاق کی صورت میں ظاہر ہوا۔

(۳) معاشی مسائل

۳۶ رفی صد شرکاء معاشی مسائل کو طلاق کی اہم وجہ قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ معاشی مسائل طلاق کے براہ راست سبب نہیں ہیں، تاہم روپے پیسے کے مسائل رشتہ میں تناؤ پیدا کرنے اور اس میں شدید اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ مغرب میں عام طور پر مرد اور عورت دونوں کام کرنے والے ہوتے ہیں، دوسری طرف انفرادیت کا جذبہ عام طور پر مغربی معاشرے میں پایا جاتا ہے، یعنی کوئی اپنی محنت کی کمائی دوسرے انسان پر خواہ ماں باپ اور بیوی بچے ہی کیوں نہ ہوں، خوش دلی سے خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے دونوں چاہتے ہیں کہ گھریلو ضروریات دونوں کی آمدنی سے پوری ہوں۔ لیکن اگر ایک اپنی آمدنی کو محفوظ رکھتا ہے تو دوسروں کے اندر بھی اپنی رقم کو محفوظ رکھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیز آپسی تناؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے، جس میں کبھی کبھی اس قدر شدّت پیدا ہو جاتی

ہے کہ علیٰحدگی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں ۳۶ رفی صد طلاق کا سبب معاشی مسائل ہوتے ہیں۔

(۴) بدسلوکی

ریسرچ ٹیم میں شریک ۳۴ رفی صدلوگوں کا ماننا ہے کہ کثرتِ طلاق کا ایک سبب بدسلوکی اور غلط روّیہ ہوتا ہے۔اسی طرح NCBI کے سروے میں بتایا گیا کہ علیٰحدگی اختیار کرنے والے جوڑوں میں ۱۲ رفی صد نے نشہ آور اشیاء کے استعمال کی زیادتی کو کثرتِ طلاق کی وجہ قرار دیا۔[۱۸]

طلاق کے بعد

فریقین میں سے کسی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہو اور عدالت نے طلاق کا فیصلہ کر دیا تو اب دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے بعد فریقین پر قانونی طور سے دو طرح کے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں: ایک وہ جو دونوں کے ذاتی معاملات سے متعلق ہوتے ہیں اور دوسرے مالی معاملات سے متعلق۔

(الف) ذاتی و شخصی معاملات

طلاق کے بعد دونوں کے شخصی معاملات میں کچھ خاص تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، مثلاً محض طلاق کا حکم صادر ہوتے ہی رشتۂ ازواجیت ختم ہو جاتا ہے اور دونوں کے درمیان جو رابطے تھے وہ یکسر منقطع ہو جاتے ہیں۔ نیز وہ حقوق وواجبات جو رشتۂ ازدواج کی وجہ سے ایک دوسرے کے ذمہ عائد تھے وہ بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اب عورت یا مرد کسی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے کے لیے خالص ہو، بلکہ دونوں اپنے تمام معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کی رعایت کرنے کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر شوہر کی زیادتی کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے تو عدالت اس پر جو بھی نفقہ مقرر کرے گی، اسے اس وقت تک بیوی کو دینا ہوگا جب تک وہ تنگ دست ہو۔ طلاق کے بعد دونوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے

اصلی نام کی طرف لوٹ جائیں، ایک دوسرے کا نام استعمال کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ کسی بزنس یا سیلری اکاؤنٹ یا دیگر دستاویزات میں مجبوراً کسی کے نام کا استعمال کرنا پڑے تو اس کی گنجائش ہوتی ہے۔ مغربی قانون میں چوں کہ عدّت کا تصور نہیں ہے، اس لیے طلاق کے بعد عورت اپنے سابق شوہر کے یہاں قیام نہیں کرسکتی ۔ اسی طرح دونوں کے درمیان حرمتِ مصاہرت کی ساری قسمیں کالعدم ہو جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے رشتہ داروں کے لیے یہ سب اجنبی ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ دونوں دوبارہ شادی کرنا چاہیں تو عدّت کے بغیر شادی کر سکتے ہیں۔

(ب) مالی معاملات

وقوع طلاق کی وجہ سے زوجین کے مالی معاملات میں درج ذیل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں:

(۱) حقِ وراثت اور نفقہ کا خاتمہ

وقوع طلاق کے بعد اگر کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو دوسرا اس کا وارث نہیں ہوگا۔[۱۹] نفقہ کے تعلق سے عام طور پر یہی درج ہے کہ طلاق کے بعد عورت کے لیے نفقہ کا حق بھی ختم ہو جائے گا، لیکن فرانسیسی آئین کے آرٹیکل ۲۷۷ میں اور مغربی ملکوں کی عدالتوں کے بعض فیصلوں کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی زیادتی اور مجرمانہ عمل کی وجہ سے طلاق ہوئی ہو اور عورت تنگ دست ہو تو مرد کی حیثیت کے مطابق سابقہ بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری اس کو ادا کرنی ہوگی اور اگر بیوی کی زیادتی اور واضح غلطی کی بنیاد پر طلاق ہوئی ہے تو اس صورت میں کوئی نفقہ نہیں ہے۔[۲۰]

(۲) معاوضہ

مغربی ممالک میں طلاق کے بعد معاوضہ دینے کا بھی قانون ہے۔ اس کی بنیاد وہ غلطی ہے جو طلاق کا سبب بنی ہے۔ چنانچہ اگر بیوی کی زیادتی اور غلطی کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے تو بیوی پر اور اگر شوہر کی غلطی طلاق کی اصل وجہ ہے تو شوہر پر معاوضہ

لازم ہوگا۔معاوضہ کے لیے مدعی کو کورٹ میں یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ فریق مخالف کی غلطی طلاق کی اصل وجہ بنی ہے، نیز یہ بھی ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے کہ اس طلاق کی وجہ سے مدعی کو واضح نقصان پہنچا ہے، چاہے یہ نقصان مادی ہو جیسے دونوں کی مشترکہ تجارت ہو، یا کوئی مالی معاملہ ہو، جو طلاق کی وجہ سے نقصان کا شکار ہو گیا ہو، یا معنوی نقصان ہو، جیسے آئندہ کی سماجی زندگی متاثر ہو رہی ہو، یا طلاق کی وجہ سے اس کی صحت پر برا اثر ہوا ہو۔ معاوضہ کے اسباب اور اس کی مقدار کا تعین وغیرہ سارے امور کو شواہد کی بنیاد پر صرف کورٹ ہی طے کرتا ہے۔[۲۱]

(۳) زوجین کے درمیان مالی نظام کا خاتمہ

میاں بیوی کے درمیان جو بھی مشترکہ مالی معاملات تھے، جیسے کوئی کمپنی یا بزنس وغیرہ ،طلاق کے بعد سارے معاملات کالعدم قرار پاتے ہیں۔بعض مغربی ممالک میں زوجین کے مالی معاملات پر طلاق کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔اصل بات یہ ہے کہ جن ممالک میں میاں بیوی کے معاملات مستقل بالذات ہوتے ہیں وہاں طلاق کی وجہ سے مالی معاملات متاثر نہیں ہوتے۔زیادہ تر مغربی ممالک میں یہی قانون ہے۔البتہ بعض ممالک جیسے فرانس اور اٹلی وغیرہ میں یہ قانون ہے کہ نکاح کے ذریعے صرف دو افراد (مرد وعورت) یکجا نہیں ہوتے ، بلکہ ان کے اموال میں بھی اشتراک و اجتماع ہو جاتا ہے، اس لیے طلاق کے بعد یہ مالی مشارکت بھی بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے۔چنانچہ فیملی رجسٹریشن کورٹ میں جس وقت طلاق کے مطالبے کی درخواست دی جاتی ہے وہیں ان سب معاملات کی تفصیل بھی بتانا ضروری ہوتا ہے، تاکہ کورٹ طلاق کے ساتھ دونوں کے تمام معاملات کا آسانی سے فیصلہ کر سکے۔اسی طرح نکاح کی بنیاد پر حاصل ہونے والے مالی فوائد پر بھی اس طلاق کا اثر پڑتا ہے۔ بہت مرتبہ زوجین میں ایک یا دونوں ایک دوسرے کے لیے شادی سے پہلے ،جب گہری شناسائی ہو اور شادی کے بعد بھی، کچھ رقم خاص کر لیتے ہیں،کبھی نکاح کے وقت یا کبھی نکاح کے بعد کچھ رقم ہبہ کر دیتے ہیں، یا کبھی دونوں مل کر کچھ اموال اس ارادے سے جمع کرتے ہیں کہ ایک کی موت کے بعد دوسرا

اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ اسی درمیان میں اگر دونوں کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے تو ان اموال سے حق انتفاع کے متعلق مغربی ملکوں میں قانون ہے کہ جس کی غلطی اور زیادتی کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے وہ اس رقم سے محروم ہو جائے گا اور دوسرے کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔[۲۲]

جسمانی علیٰحدگی

طلاق کے بعد میاں بیوی کے درمیان عام طور پر کوئی رابطہ نہیں رہتا، لیکن مغربی ممالک کے قانون میں طلاق کے بعد جسمانی علیٰحدگی کا قانون پایا جاتا ہے، جس کی کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ مغربی ممالک میں جہاں جمہوری نظام حکومت اور مستحکم قانون ہے وہیں معاشرتی معاملات خاص کر نکاح وطلاق میں کلیسا کا بھی کافی اثر ورسوخ پایا جاتا ہے۔ کلیسا کے یہاں ایک ضابطہ یہ ہے کہ نکاح دائمی رشتہ ہے، جس کو موت کے علاوہ کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کے نقطۂ نظر سے طلاق غیر شرعی عمل ہے، لیکن ملکی قوانین کے رُو سے طلاق کے ذریعے رشتۂ ازدواجیت مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ طلاق کے متعلق کلیسا کے اصول وضوابط اور ملکی قوانین دونوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ اگر زوجین کلیسائی فکر کے حامل ہیں تو طلاق کے بعد انہیں کورٹ میں 'جسمانی علیٰحدگی' کا دعویٰ دائر کرنا ہوتا ہے، جس کی روشنی میں دونوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے دور رہیں، البتہ مذہبی لحاظ سے دونوں آپس میں میاں بیوی کی حیثیت سے مربوط رہیں گے، چنانچہ طلاق کی وجہ سے دونوں کے بعض حقوق ختم ہو جائیں گے، جیسے ان کے درمیان مشترکہ زندگی، ایک دوسرے کی رعایت اور دونوں کے درمیان مالی ذمہ داریوں کا وجوب ختم ہو جائے گا، جب کہ بعض حقوق باقی رہیں گے، جیسے مادّی تعاون، اولاد کی مشترکہ ذمہ داری، نیز نہ تو کوئی کسی اور سے دوسری شادی کر سکتا ہے اور نہ کسی سے جسمانی روابط رکھ سکتا ہے۔[۲۳]

طلاق کے بعد اولاد کا معاملہ

ماں باپ کے درمیان طلاق کے ناپسندیدہ واقعہ سے سب سے زیادہ اولاد متاثر ہوتی ہیں اور بچے ناکردہ گناہوں کے ذریعہ سخت مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کیوں کہ طلاق کے بعد ان کو دونوں کے سپرد کرنا ناممکن ہے اور اگر اس میں سے کسی ایک کے سپرد کیا جائے تو بچے دوسرے کے لطف وعنایات اور توجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اس تعلق سے کچھ حتمی قوانین وضع کیے جائیں، تاکہ ان بچوں کو پہنچنے والے مضرات میں کچھ تخفیف ہو سکے۔

اس حوالے سے مغربی ممالک خاص کر فرانس کے قوانین کچھ اس طرح ہیں کہ بچوں کا نسب جوں کا توں باقی رہے گا اور طلاق کی وجہ سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ ہر جگہ ماں اور باپ دونوں کی طرف منسوب ہو کر دونوں کے ناموں کا استعمال کریں گے۔ ان کو حکومت کی طرف سے بھی اور والدین کی طرف سے بھی تمام مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ مالی حقوق کے تعلق سے فرانس کا قانون یہ ہے کہ طلاق کے باوجود بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے بنیادی اخراجات کی ذمہ داری ماں باپ پر ان کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ بچوں کی رہائش کے تعلق سے عام طور پر حکومت کی طرف سے 'چائلڈ ہاؤس' کا انتظام ہوتا ہے، جن میں ایسے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے، ساتھ ہی بچوں کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے انہیں والدین میں سے کسی ایک کے یا ان کے اجداد میں سے کسی کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ اس تعلق سے بچوں کے مصالح کی مکمل رعایت کا حلف نامہ کورٹ میں دائر کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔[۲۴]

قانونی نسب

بچوں کا بنیادی حق یہ ہے کہ ان کو قانونی نسب حاصل ہو۔ مغرب میں ایک طرف غالب اکثریت ایسے بچوں کی ہے جو باضابطہ قانونی نکاح کے دائرے میں رہ کر وجود میں آئے ہیں، ساتھ ہی ایسے بچوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جو قانونی نکاح سے باہر محض 'لو ان ریلیشن شپ' کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ جو بچے قانونی نکاح کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں ان کو مکمل حقوق حاصل ہوتے ہیں اور غیر قانونی بچے کی ذمہ داری والد پر نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کے محدود حقوق ہوتے ہیں۔ بچوں کے ثبوتِ نسب کے لیے ضروری ہے کہ ماں باپ کی ازدواجی زندگی میں بچے پیدا ہوئے ہوں، البتہ وہ بچے

جو طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہوں، ان کے ثبوتِ نسب کے لیے مغربی ممالک کا قانون یہ ہے کہ طلاق کے ۷۷۷؍ دن اور شوہر کی وفات کے ۷۷۴؍ دن بعد پیدا ہونے والے بچوں کو ثابت النسب مانا جائے گا اور اس کے باپ کی طرف سے طلاق کی صورت میں اور باپ کے اموال اور جائیداد میں باپ کی وفات کی صورت میں تمام حقوق حاصل ہوں گے۔[۲۵] حقوق انسانی کے عالمی کمیشن کی صراحت ہے کہ ماؤں اور بچوں کی معاونت میں خصوصی رعایت کی جائے اور تمام بچوں کو مکمل معاشرتی اور قانونی حمایت حاصل ہو، خواہ وہ قانونی نکاح سے پیدا ہوئے ہوں یا غیر قانونی طریقے سے، دونوں کو مکمل اور برابر حقوق دیے جائیں گے۔

بچوں پر باپ کی مکمل توجہ

فرانسیسی آئین کے آرٹیکل ۲۱۳ کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت اور نشو و نما والد کی مکمل ذمہ داری ہے۔ اس حق سے وہ کسی صورت میں دست بردار نہیں ہو سکتے۔ بچوں کی پرورش کے حوالے سے باپ کے لیے قانونی ذمہ داری یہ ہے کہ بچے اپنے باپ کے ساتھ رہیں اور بچوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ باپ کی اجازت کے بغیر ان سے دوٗر نہ رہیں۔ البتہ ۱۸؍ سال کی عمر کے بعد وہ اپنی الگ مصروفیت تلاش کر سکتے ہیں اور الگ رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کے رشتے دار، خاص کر ماں اگر وہ کہیں الگ رہتی ہو، یا دادا، نانا، دادی، نانی وغیرہ کو بچوں سے ملنے کا پورا حق ہوگا۔ بچوں کے بلوغ تک کھانے، پینے، لباس، علاج معالجہ اور تمام ضرورتوں کی تکمیل باپ کے لیے ضروری ہے، خواہ ماں باپ کے درمیان طلاق واقع ہوگئی ہو۔ ماں کسی صورت ان اخراجات کی ذمہ دار نہیں ہوگی۔[۲٦]

حواشی و مراجع

۱۔ د؍ عبد الفتاح عبد الباقی، الزواج فی القانون الفرنسی، مطبعۃ نھضۃ مصر، ۱۹۶۵ء، ص: ۱٦۸

۲۔ جمیل خانکی، الاحوال الشخصیۃ للأجانب، طبع القاھرۃ، ۱۹۵۰ء، ص: ۱۲۱

۳۔ حوالہ سابق
۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: دکتور سالم بن عبد الغنی الرافعی، احکام الاحوال الشخصیۃ للمسلمین فی الغرب، دارابن حزم، بیروت، لبنان،۲۰۰۲ء،ص۵۹۷
5- Online availity www.google.co.uk divorce web archieve.org
6- Www. managed divorce.co.UK
7- Online availity www. managed divorce co.uk
8- Briak Williams, Stacey Sawyer,Carl M. Wahl strom, marriages, families &intimate relationships.2005
9- for married couple California courts judicial branch of California retrieved 23 July 2016
10- Howells,UK,13 February 2017, what is the most common reason for divorce?
11- online Available: www.statista.coms/ tatistics/465782/ number of divorce-france
12- Www.rocket lawyer.co.uk grounds for divorce in the UK
13- independence UK Monday 8 june 2018
۱۴۔ حوالہ سابق
۱۵۔ حوالہ سابق
16- Www.huffpost.com/10 most common reasons people gets divorced
17- Www.msn.com/en-us/lifestyle/the 11 most common reasons people get divorced
۱۸۔ حوالہ سابق
۱۹۔ عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی،ص:۲۲۴
۲۰۔ حوالہ سابق ۲۱۔حوالہ سابق ۲۲۔حوالہ سابق ۲۳۔حوالہ سابق
۲۴۔ عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی،ص:۲۱۲
۲۵۔ مخلوف البدوی المنیاوی، المقارنات التشریعیۃ الغربیۃ، دار السلام للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء، جلد:۱،ص:۱۱۲۔ نیبولین، تعریب القانون المدنی الفرنسی، المکتبۃ الخدیویۃ، ۱۸۶۷ء، المادۃ:۳۱۲۔۳۳۱
۲۶۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: الزواج فی القانون الفرنسی،ص:۱۴۴

تفسیر عروۃ الوثقیٰ: مطالعہ وجائزہ

——— ڈاکٹر محمد زوہیب حنیف

برِّ صغیر ہندو پاک کا خاصہ رہا ہے کہ یہاں ایسی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے اسلامی علوم اور خاص کر تفسیر قرآن میں انتہائی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے فہم قرآن کی راہ دکھائی ہے اور قیمتی تفسیریں تالیف کی ہیں۔ اُن شخصیات میں سے ایک مولانا عبدالکریم اثری ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، خاص کر آپ کی تفسیر (عروۃ الوثقیٰ) نے گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس مقالے میں اسی تفسیر کا مطالعہ وجائزہ پیش کیا جائے گا۔

تفسیر عروۃ الوثقیٰ کو مکتبہ اثریہ، جناح اسٹریٹ، گجرات، پاکستان نے چھاپا ہے۔ یہ نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

جلد اول: سورۃ الفاتحہ تا سورۃ البقرۃ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء

جلد دوم: سورۃ آل عمران تا سورۃ النساء۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۵ء

جلد سوم: سورۃ المائدۃ تا سورۃ الاعراف۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۶ء

جلد چہارم: سورۃ الانفال تا سورۃ ابراہیم۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۶ء

جلد پنجم: سورۃ الحجرت تا سورۃ طٰہٰ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء

جلد ششم: سورۃ الانبیاء تا سورۃ القصص۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء

جلد ہفتم: سورۃ العنکبوت تا سورۃ المومن۔ سنہ اشاعت ندارد

جلد ہشتم: سورۃ حٰم السجدہ تا سورۃ الواقعہ۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء

جلد نہم: سورۃ الحدید تا سورۃ الناس۔ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء

اسلوبِ تفسیر

یہ تفسیر، تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا حسین امتزاج ہے۔ روایاتِ صحیحہ جگہ جگہ اس تفسیر میں نظر آتی ہیں، لیکن جو روایت قرآن سے ٹکرا جائے، مولانا اثری اس کو قبول نہیں کرتے اور وہاں عقلی دلائل دیتے ہیں۔ وہ سند کے علاوہ نفسِ مضمون کو دیکھتے ہیں، وہیں سے روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ از روئے قرآن کرتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ سلف کی آراء پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ تفسیر میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وہ اپنا ایک خاص تفرد رکھتے ہیں۔ (آگے تفصیل آئے گی۔)

ترجمہ

اس تفسیر میں ترجمہ عموماً مولانا ابوالکلام آزادؒ کا لیا گیا ہے۔ صاحبِ تفسیر لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ کو، جیسے دراصل مفہوم کے نام سے یاد کرنا زیادہ موزوں ہے، مولانا ابوالکلام آزادؒ مرحوم سے مستعار لیا، لیکن بعض مقامات پر دوسرے علمائے کرام اور مترجمین حضرات سے استفادہ کیا گیا۔ اس لیے مکمل نسبت علامہ آزاد کی طرف کرنا مناسب خیال نہ سمجھا۔''[1]

بہ حیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو ترجمہ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کا اثر نمایاں ہے۔

تفسیری محاسن

تفسیر عروۃ الوثقیٰ قیمتی تفسیری مباحث پر مشتمل ہے۔ بہ طور مثال چند موضوعات پیش کیے جاتے ہیں:

ناسخ ومنسوخ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر. (البقرۃ:۱۰۶)

> ''احکام سے جو بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں (یہ حیرانی کی بات نہیں) کیا تم

نہیں جانتے کہ اللہ نے ہر ایک چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔''(ترجمہ عبدالکریم اثری)

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے قرآن کریم کی بہت سی آیات کو منسوخ مانا ہے۔کسی نے پانچ سو (۵۰۰)، کسی نے سو(۱۰۰)، مگر شاہ ولی اللہؒ نے صرف پانچ (۵) آیات کو منسوخ قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں براہ راست کوئی حکم منسوخ سے متعلق نہیں ہے۔

صاحب تفسیر تبیان القرآن مولانا غلام رسول سعیدی ناسخ و منسوخ سے متعلق لکھتے ہیں:

''تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض آیات ایسی ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔''[۲]

پھر نسخ کی حکمت بیان کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کو باقی رکھا گیا ہو اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے لیے ہوا ہے۔''[۳]

مولانا عبدالکریم اثری نے قرآن میں کسی بھی قسم کے نسخ کا انکار کیا ہے اور اس کے دلائل پیش کیے ہیں۔وہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۶ کے تحت لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے غور طلب امر سیاق و سباقِ آیت ہے۔یہ تو ظاہر ہے اور جس طرح پیچھے سے آپ پڑھتے آرہے ہیں کہ یہود کا اعتراض تھا کہ یہ وحی بنی اسرائیل میں نازل ہونی چاہیے تھی، یہ بنی اسمٰعیل میں کیسے نازل ہوگئی؟ لہٰذا جو وحی بنی اسمٰعیل میں نازل ہوئی تھی، اس لیے حق ناحق دیکھے بغیر اس کا انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ وہ جس پر وحی نازل ہوئی اس کے اور وحی لانے والے کے خلاف ہو گئے اور ہر طرح

کی شرارتیں اور منصوبے کرنے لگے۔ چوں کہ درمیان میں شرارتوں، منصوبوں کا ذکر آ گیا، اس لیے بات لمبی ہوگئی اور اس طرح ان کی ایک شرارت کا ذکر اور پھر اس کا جواب دینے کے بعد اصل مضمون کی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہاں اشارہ کر دیا اور فرمایا کہ اصل اعتراض ان کو یہ ہے کہ تم پر یہ خیر و رحمت کیوں نازل ہوئی؟ کیوں کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے کسی نبی پر نازل ہوتی تو حضرت موسیٰ کی شریعت منسوخ نہ ہوتی۔ اگرچہ یہ بھی ان کا گمان تھا، جس طرح دنیا داروں کی سوچ ہوتی ہے، بالکل اسی طرح یہ ان کی عامیانہ سوچ تھی، تاہم انھوں نے اپنے دل میں یہ بہ طور یقین بات جمالی تھی کہ اب محمد رسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہونے سے، جو بنی اسمٰعیل میں سے ہے، یہ بھی ضرور ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعتِ منسوخ ہو اور پھر جب ان کی اپنی خواہشات و اہوا کے خلاف حکم آیا تو انھوں نے اس بات پر محمول کیا۔ اصل میں تو اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ شریعتِ موسوی کے جو احکام منسوخ ہوگئے ہیں اس کی دلیل تو تمھارے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے، جو تم نے شریعتِ موسوی کے ذمہ لگا دیے۔ اس کے لیے یہ بیان دیا گیا ہے کہ ہم نے احکام میں سے جو بدل دیے ہیں اُن سے بہتر وہاں یعنی شریعتِ محمدی میں بتائے گئے ہیں، یا کم از کم اس جیسے تو ہوں گے۔ ذرا غور کر کے ان کو دیکھو تو سہی، گویا ان کی توجہ اصل مضمون کی طرف پھرائی گئی ہے، جس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ تھا کہ وہ احکام جو شریعتِ موسوی کے طور پر ان میں معروف تھے اور ان میں ردّ و بدل ناگزیر تھا، کیوں کہ انھوں نے بہت کچھ اس میں تحریف کر دی تھی اور بہت کچھ انھوں نے حق و باطل کو ملا دیا تھا۔''[۴]

نسخ سے متعلق مزید لکھتے ہیں:

''خود نبی کریم ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے، تو ایک مرحلہ اس سوال کا اسی جگہ طے ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس واقعی کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر قرآن کریم کی ان آیات میں سے کسی آیت کو، جو قرآن میں موجود ہیں، منسوخ قرار دیا۔''[۵]

نسخ کے قائلین جس آیت سے مزید استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ. (النحل:۱۰۱)

''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری بدلتے ہیں۔''

(مولانا مودودی)

اس آیت کے ضمن میں مولانا اثری لکھتے ہیں:

''یہ سورۃ بالا تفاق مکی ہے۔ مکہ میں کسی حکم کے منسوخ کیے جانے کا ذکر روایات میں نہیں ملتا، کیوں کہ تفصیلی احکام دراصل نازل ہی مدینہ میں ہوئے۔ پس اس آیت سے استدلال کرنا اور پھر نسخ بھی ان آیات کا جو قرآن کریم میں موجود ہیں، غلط ہی نہیں، بلکہ سراسر زیادتی ہے، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف بات ہے، لیکن انسانوں کا احکام میں نسخ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا، بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا۔ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت حالات کے مطابق تھا اور آگے آنے والے واقعات و حالات کا اندازہ نہ تھا۔ جب حالات بدلے تو حکم بدلنا پڑا۔ یہ دونوں صورتیں احکام الٰہی میں نہیں ہو سکتیں اور اگر کوئی ایسا شخص قرآن کی آیات میں بھی تسلیم (نسخ) کرتا ہے تو اس کی یہ سوچ قرآن کریم کے بالکل منافی ہے۔''[۶]

مولانا اثری کے بہ قول قرآنِ مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے جن پانچ آیات کو منسوخ مانا ہے اُن میں سے ایک سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۱ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ، فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (المجادلۃ: ۱۲-۱۳)

''اے ایمان والو! جب تم رسول کے کان میں کوئی بات کہو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کر لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ پھر اگر تم مقدور نہ رکھتے ہو (تو مضائقہ نہیں) اللہ بڑا بخشنے والا، پیار کرنے والا ہے۔ کیا تم ڈر گئے کہ سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات کرنا پڑتی ہے، پس جب تم یہ نہ کر سکے تو اللہ نے تمہارے حال پر رحم فرما دیا تو اب نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو خوب علم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔'' (عبدالکریم اثری)

درج بالا آیات میں نمبر۱۲ کو منسوخ مانا جاتا ہے کہ صدقہ کا حکم سرگوشی کے وقت پہلے تھا، بعد میں یہ حکم آیت ۱۳ سے منسوخ کر دیا گیا۔ اس ضمن میں مولانا عبدالکریم اثری لکھتے ہیں:

''اس طرح ان کے امتحان کے لیے لازمی کر دیا کہ اگر تم محمد ﷺ سے کوئی مشورہ چاہتے ہو اور علیحدگی میں ملاقات کرنا تمہارا ضروری ہے تو جو کچھ تم کو توفیق ہے، اس ملاقات سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ان لوگوں پر یہ مشورہ بہت بھاری ہو گیا۔ اس لیے کہ اگر کچھ خرچ کرتے ہیں تو مال ضائع ہو کہ اس طرح تو کسی کو بھی کچھ معلوم نہ ہو، کہ کس نے دیا اور کتنا دیا؟ لیکن ان کے اندر کا چور، ان کو اپنے فاسد عقیدہ کے باعث القا کرتا تھا کہ اگر نہ دیا اور کہہ دیا کہ دیا ہے تو بھی محمد رسول ﷺ کو علم ہو ہی جائے گا۔ بہرحال اس آیت نے خود ہی اس قانون کی وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے ان کے لیے اللہ غفور رحیم ہے۔ اس قانون کی مزید وضاحت فرما دی ہے۔ جن لوگوں کے پاس مال نہیں ان کو کسی سے بات کرنے کی ممانعت نہیں کی جا رہی ہے۔ تم اس حکم سے کیوں ڈر گئے؟ اللہ تعالیٰ کسی پر ایسی پابندی نہیں لگاتا جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔''[۷]

ان دلائل سے درج ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ ناسخ و منسوخ کی بحث شروع سے چلی آ رہی ہے۔

۲۔مفسرین نے منسوخ آیات کی تعداد مختلف بیان کی ہے۔
۳۔شاہ ولی اللہؒ نے پانچ آیات کو منسوخ مانا ہے۔
مولانا غلام رسول سعیدی کے نزدیک نسخ بالعموم تخفیف کے لیے واقع ہوا ہے۔
مولانا اثری کے نزدیک قرآنِ مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ان کے نزدیک سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۶ درحقیقت یہود کے اعتراض کا جواب ہے۔

سورۃ النحل، جس کی آیت نمبر ۱۰۱، میں تبدیلی کی بات کہی گئی ہے،مولانا اثری کے نزدیک درحقیقت مکی سورۃ ہے اور مکی سورتوں میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نسخ سے متعلق حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔انسانی کاموں میں نسخ اُس وقت واقع ہوتا ہے جب ان سے احکام میں کوئی غلطی سرزد ہوجائے، لیکن باری تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

اہلِ کتاب کا کھانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلیَومَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِینَ اُوتُوا الکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُم وَطَعَامُکُم حِلٌّ لَّھُم. (المائدۃ:۵)

''آج تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جنھیں کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔''(ترجمہ عبدالکریم اثری)

اہل کتاب سے مراد عام طور پر یہود و نصاریٰ مراد لیے جاتے ہیں۔مفسرین کرام کی بڑی جماعت نے اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

''اہل کتاب کے کھانے میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے ان کا اور ان کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور چھوت

چھات نہیں ہے، لیکن عام اجازت دینے سے پہلے اس فقرے کا اظہار فرمایا گیا کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کردی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر پاکی وطہارت کے قوانین کی پابندی نہ کریں، جو شریعت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے، یا ان کے کھانے میں حرام چیزیں شامل ہوں تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ خدا کا نام لیے بغیر کسی جانور کو ذبح کریں، یا اس پر خدا کے سوا کسی اور نام لیں تو اسے کھانا جائز نہیں۔''[۸]

مولانا عبدالکریم اثری اہل کتاب کے ذبیحہ سے متعلق علمائے اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے پادری، اہل دین جو کچھ کھانا بھی کھاتے ہیں بجز خنزیر کے، وہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے ذبیحہ پر یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ اہل اسلام کے طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو۔''[۹]

وہ مزید لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اہل کتاب کا جو طعام بھی ہو، اس میں ذبیحہ اور غیر ذبیحہ دونوں شامل ہیں، مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ اہل کتاب اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں، یہ اللہ کے علم میں ہے۔ ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا حلال قرار دیا ہے، خواہ وہ تسمیہ کے ساتھ ہو یا بغیر تسمیہ کے۔''[۱۰]

اپنی دلیل میں روایت سے ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک بار امام شعبیؒ اور عطاؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر نصاریٰ مسیح کے نام پر ذبح کریں تو کیا اس جانور کا گوشت مسلمانوں کے لیے حلال ہے؟ تو ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لیے حلال ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے ذبیحہ کو ہمارے لیے جب حلال کیا ہے تو اس کے علم میں تھا کہ نصاریٰ ذبح کے وقت کس کا نام لیتے ہیں۔''[۱۱]

'عَبَسَ' کا مصداق؟

سورۃ عبس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **عَبَسَ وَتَوَلّٰی، أَن جَاءَ هُ الْأَعْمٰی، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰی، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرٰی، أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی، فَأَنتَ لَهُ تَصَدّٰی، وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰی، وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعٰی، وَهُوَ يَخْشٰی، فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهّٰی** ۔(عبس: ۱تا۹) ''اُس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، کہ آیا اس کے پاس نابینا، اور تمھیں کیا معلوم، شاید وہ اپنی اصلاح کرتا، یا نصیحت سنتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی، جو بے پروائی برتتا ہے اس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، حالاں کہ تم پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے اور جو تمہارے پاس شوق سے آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے، تو تم اس سے بے پروائی برتتے ہو۔ (ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی)

ان آیات میں عام طور پر مفسرینِ کرام میں 'عَبَسَ' کا 'فاعل' حضور ﷺ کو لیتے ہیں۔ یہاں چند معروف مفسرین کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

> ''عبس کا فاعل یہاں مذکور نہیں، لیکن آگے کی آیات سے واضح ہو جائے گا کہ فاعل نبی ﷺ ہیں۔ 'اعمیٰ' سے یہاں اشارہ، تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کی طرف ہے۔ یہ ایک نابینا صحابی تھے۔''[۱۲]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

> ''مفسرین ومحدّثین نے بالاتفاق اِس سُورۃ کا سببِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں مکّہ معظّمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ اُن کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابنِ اُمِّ مکتومؓ نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپؐ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور آپؐ نے اُن سے بے رُخی برتی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سُورہ نازل ہوئی۔''[۱۳]

مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا بیان ہے:

''ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بعض روسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے۔ بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ شیبہ کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا۔ یہ قطعِ کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور ناگواری کی وجہ سے چیں بجبیں ہوئے۔ جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو آثارِ وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں 'عبس وتولیٰ' نازل ہوئیں۔''[۱۴]

حافظ صلاح الدین یوسفؒ: فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتومؓ، جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آ کر نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ جناچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا (ترمذی، تفسیر سورۃ عبس، صحّحہ الالبانی۔)''[۱۵]

ان تفاسیر سے معلوم ہوتا کہ مفسرین نے عبس کا فاعل اللہ کے رسول ﷺ کو مانا ہے، لیکن اگر قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو ایک طرف یہ آتا ہے کہ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم:۴) ''اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں'' (ترجمہ جالندھری)، اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء:۱۰۷) ''اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (ترجمہ جالندھری) اور دوسری طرف 'تیوری' جیسے الفاظ حضور ﷺ سے منسوب کیے جاتے ہے تو تضاد محسوس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مولانا عبدالکریم اثری نے یہ رائے نہیں اختیار کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہاں 'عبس' سے مراد قریش کا کوئی سردار ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ کی مجلس میں ایک یا چند لوگ قریش کے سرداروں میں سے بیٹھے ہوئے کہ ابن ام مکتومؓ، جو ایک نابینا صحابی اور ایک غریب خاندان کے فرد تھے، وہاں آ گئے۔ جونہی وہ آپؐ کی مجلس پہنچے

تو ان کفار میں سے کسی ایک نے ان کا آنا اور خصوصاً ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کیا۔ اُس نے آپؐ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور کچھ بڑبڑایا۔ اُس کی یہ حرکت رسول اللہ ﷺ کو بھی ناگوار گزری، لیکن آپؐ نے ازراہ رواداری اُس کافر کو کچھ نہ کہا، لیکن اللہ نے آپؐ پر وحی نازل فرمائی اور اِس کافر پر عتاب فرمایا۔ لیکن افسوس، ہمارے مفسرین کی اکثریت نے اس کے برعکس یہ قرار دیا کہ عبد اللہ بن امِ مکتومؓ کو دیکھ کر آپؐ نے تیوری چڑھائی اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ ہی کو وہ ڈانٹ پلائی، حالاں کہ خاکم بدہن کہ میں ایسی بات کہوں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے نزول سے بہت پہلے آپؐ کے خلقِ عظیم کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ پھر اس بات کا صدور آپؐ سے کیسے ممکن ہے جو عام خلق کے بھی خلاف ہو۔ اس لیے ہم اس بات کو صحیح قرار نہیں دیتے اور برملا کہتے ہیں کہ عبوست کا فاعل وہ کافر ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہے اور کیسا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو ڈانٹ پلائی ہے۔''[۱۶]

مولانا اثری نے آیاتِ بالا کی تفسیر میں اپنے استاذ حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادیؒ کی تفسیر 'الغبس عن تفسیر سورۃ عبس' کو نقل کیا ہے۔ حافظ عنایت اللہ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: یہ سب غلط ہے۔ اگر ابن ام مکتومؓ نے ادبِ مجلس نبوی کے خلاف کوئی حرکت کی ہوتی تو انصاف یہ ہے کہ اللہ پاک اسے ڈانٹتا اور ادب سکھاتا، مگر سب کا اتفاق ہے کہ اسے نہیں ڈانٹا گیا۔ 'ڈانٹ' 'عابس' کو ہوئی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد کافر ہے، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہرگز نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ انھوں نے آپؐ کی طرف بدخلقی کیسے منسوب کر دی، جو صرف میرے لیے نہیں، بلکہ ہر عقل مند مسلم کے نزدیک مسترد ہے کہ اللہ پاک نے آپؐ کو کریمانہ اخلاق سے نوازا اور آراستہ کیا ہے۔ اچھا تو اگر یہ عبوست کوئی معمولی بات تھی تو پھر اللہ پاک نے اسے قرآن مجید میں درج فرما کر دنیا میں اتنا مشہور کیوں کر دیا؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ سورۃ عبس کا سیاق سورۃ نازعات سے ملتا جلتا ہے کہ اس میں فرعون جیسے بدخلق کے

بالمقابل موسیٰؑ اور ان کے اصحاب کے اخلاق فاضلہ کا ذکر ہے اور اس میں ایک متکبر بد خلق رئیس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان ہے، پھر پیدائش عالم اور نظام ملک اور اماتت و احیاء اور حشر ونشر جنت دوزخ جیسے امور کا مساوی طور پر بیان ہوا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عابس فرعون کا مثیل ہے، جو موسیٰؑ اور ان کے اصحاب کے مثیلوں پر عبوست کا اظہار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ آپؐ کی مجلس ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دانش منداور اور سرمایہ دار نہیں ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبوست کا مظاہرہ کیا۔ کیوں کہ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں آپؐ کی ہدایت مروی ہے کہ مسلمان مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملاقات کیا کرے کہ یہ بجائے خود ایک نیکی بلکہ صدقہ ہے۔ جب امت کو آپؐ کی یہ ہدایت ہے تو آپؐ کی روش اس کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔'' [۱۷]

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

☆ مفسرین کے نزدیک عام طور پر 'عبس' کا فاعل حضور ﷺ ہیں۔

☆ نابینا شخص سے مراد حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ ہیں۔

☆ یہاں آپؐ کو تنبیہ کی جارہی ہے۔

قرآن اور حضور ﷺ کا اسوہ اس بات سے ابا کرتے ہیں، کیوں کہ:

☆ اللہ کے رسول ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کریمانہ اخلاق سے نوازا اور آراستہ کیا تھا۔

☆ آپؐ نے ہمیشہ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی۔

☆ آپؐ کے اصحاب بھی اخلاق حسنہ کی مثال تھے۔

☆ آپؐ نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تلقین کی ہے۔

☆ سورۃ عبس کا سیاق وسباق سورۃ النازعات سے ملتا جلتا ہے کہ اس میں فرعون جیسے بد خلق کے بالمقابل موسیٰؑ اور ان کے اصحاب کے اخلاقِ فاضلہ کا ذکر ہے اور اِس میں ایک متکبر بد خلق رئیس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے اخلاقِ

عالیہ کا بیان ہے۔

☆ جب آپؐ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں تو پھر آپؐ خود ایسے تیوری کیسے دکھا سکتے ہیں۔

☆ عبس کا فاعل آپؐ نہیں، بلکہ کفار کا کوئی نمائندہ ہے، جس کی اکڑ کو اس سورت میں واضح کیا گیا ہے۔

معجزہ

مولانا اثری معجزے سے متعلق سرسید، غلام احمد پرویز اور رحمت اللہ طارق کی فکر کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ الفاظ تو مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن بہ حیثیتِ مجموعی معجزہ سے متعلق ان کا بھی وہی نقطۂ نظر ہے۔ معجزے کی تعریف عام طور پر اس طرح کی جاتی ہے کہ ’’بعض خلاف عادت باتیں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور نبیوں کے ہاتھ سے ظاہر کرا دیتا ہے، جن کے کرنے سے دنیا کے لوگ عاجز ہوتے ہیں، تاکہ لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اس نبی کی نبوت کو سمجھ لیں۔ نبیوں اور رسولوں کی ایسی خلافِ عادت باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔[۱۸]

قرآنِ مجید میں انبیاء کے حوالے سے معجزات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً حضرت مسیحؑ کے معجزات سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَسُولاً إِلَى بَنِيَ إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللّهِ وَأُبْرِئُ الأكْمَهَ والأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران: ۴۹)

’’اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا (اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) ’’میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت میں ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس

میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمھارے لیے کافی نشانی ہے، اگر تم ایمان والے ہوں۔ (ترجمہ مودودی)

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں رقم طراز ہیں:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت غیر معروف طریقہ سے ہوئی تھی، جس سے معاندین کو اعتراضات کے کافی مواقع فراہم ہوگئے تھے۔ اور آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی، اس لیے انھیں کھلے معجزات عطا فرمائے گئے تھے، جنھیں دیکھ کر کسی عقل مند کے لیے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں: (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے۔ (۲) مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے۔ (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے۔ (۴) مردوں کو از سر نو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ پانچویں قسم علمی معجزے کی تھی، یعنی غیب کی خبریں دینا۔ آپ بتا دیا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور یہ یہ چیزیں اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے آئے ہو۔''[19]

معجزے سے متعلق یہی نقطۂ نظر اسلاف کا ہے، لیکن مولانا اثری اس نقطۂ نظر کے برخلاف سرسید اور دوسرے اہل الرائے کے ہم نوا نظر آتے ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کو عطا کیے گئے معجزات کو انھوں نے تمثیل کہا ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

''اَنِّی اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡئَۃِ الطَّیۡرِ...بِاِذۡنِ اللّٰہِ۔'' میں تمھارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرندوں کی سی صورت رکھتی ہو، پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جائے۔'' یہ گویا

ان نشاناتِ نبوت یعنی 'پیغامِ رسالت' میں سے ایک پیغام یا ایک نشانی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں دی ہیں۔ ان کو تمثیلات میں بیان کیا جاتا رہا ہے۔ کلامِ الٰہی، جو لسانِ نبوت سے جاری کیا جاتا رہا ہے، اس میں تمثیلات کثرت سے استعمال کی گئیں، تاکہ ایک بڑا مضمون چند الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ ہمارے ہاں محاورۃً یوں کہا جاتا ہے کہ ''فلاں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا''۔[۲۰]

مذکورہ آیت میں جو معجزات بیان ہوئے ہیں ان کو مولانا اثری تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہوا کہ میں تمھارے لیے غور وفکر اور تفہیم کے لیے تمھاری فطرت اور جبلّت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگاتا ہوں کہ جیسے پرندوں میں اڑنے کی قابلیت ہوتی ہے، مگر وہ پیدا ہوتے ہی نہیں اڑتے، ہاں! کچھ دنوں کے بعد پَر پُرزے پیدا ہونے پر اڑنے لگتے ہیں، اسی طرح تمھارا حال یہ ہے کہ میں تمارے اندر کلامِ نبوت پھونکتا ہوں تو اس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔''[۲۱]

مزید فرماتے ہیں:

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیلات اور استعارات میں جن مردوں کو زندہ کرنا، جن اندھوں کو بینا کر دینا، جن کوڑھیوں کو چنگا کرنا اور جن کی ہیئت میں پرندوں کی پرواز کا ذکر ہے ان سے وہی مراد ہے کہ اندھے اور کوڑھی جن کے علاج کے لیے وحی الٰہی کا بندوبست کیا گیا تھا اور جن کی بیماریوں کے لیے ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اعظم و آخر محمد ﷺ تک سارے انبیا کرام مختلف قوموں کے پاس بھیجے جاتے رہے۔''[۲۲]

یہ وہ مشہور معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ مولانا اثری نہ صرف ان معجزات کو، بلکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں معجزات ذکر کیے گئے ہیں، انھیں تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہیں، جیسے سیدنا موسیٰؑ کو جو یدِ بیضا دیا گیا، اسے وہ 'دل سے نکلی ہوئی بات جو دوسروں کے دلوں پر اثر کرتی ہے' سے تعبیر کرتے

ہیں۲۳۔ یا 'عصا'، جو سانپ بن جاتا تھا 'لاٹھی کے استعارے میں حکومت کارفرما ہے، حکومت گر جائے تو لاٹھی، لاٹھی نہیں رہتی، بلکہ وہ لاٹھی سانپ بن کر رہ جاتی ہے۔۲۴

مولانا اثری نے معجزات کی تشریح اسلاف سے ہٹ کر کی ہے۔ قرآنِ مجید کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ مولانا کے دلائل میں کم زوری نظر آتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید میں استعارے، محاورے وغیرہ سب استعمال ہوئے ہیں، لیکن جہاں الفاظ اتنے واضح ہوں وہاں اپنی فکر کو سمونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تبصرہ

تفسیر عروۃ الوثقیٰ کو بہ حیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو یہ تفسیر بالرائے کا ایک نمونہ ہے۔ اگرچہ مولانا اثری نے اپنی تفسیر میں روایات بھی ذکر کی ہیں، لیکن اس میں رائے کا زیادہ غلبہ نظر آتا ہے۔ مولانا آیت کی تفسیر کرتے وقت نفس مضمون کو پرکھتے ہیں، پھر اپنی تفسیر میں لاتے ہیں۔ جہاں درایتاً کوئی بات ہو، وہاں کھل کر دلائل دیتے ہیں۔

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، مکتبہ اثریہ، جناح اسٹریٹ، گجرات، پاکستان، جلد اول، ص،۶۔

۲۔ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد اول، ص۵۷، مکتبہ فریدی، اردو بازار کراچی، طبع سوم، ۱۴۲۰ھ، جون ۱۹۹۹ء

۳۔ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد اول، ص۷۷۔

۴۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد اول، ص،۴۵۲۔

۵۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد اول، ص،۴۵۴۔

۶۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد اول، ص،۴۵۵۔

۷۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد نہم، ص،۱۵۳۔۱۵۴۔

۸۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد اول، ص،۴۴۶۔۴۴۷

۹۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد سوم، ص،۵۷۔

۱۰۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد اول، ص،۵۷۔

۱۱۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد سوم، ص،۷۷۔

۱۲۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان، ۲۰۰۹ء۔۱۴۳۰ھ، جلد نہم، ص ۱۹۶۔
۱۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، جلد ششم، ص ۵۲۰، ۱۹۸۶ء۔
۱۴۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، اپریل ۲۰۰۸ء، جلد ہشتم، خلاصۂ تفسیر، ص ۶۷۰۔
۱۵۔ حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب، س ن۔ص ۱۶۸۴۔
۱۶۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد ۹، ص ۷۴۰۔
۱۷۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد نہم ص ۷۴۷۔
۱۸۔ مولانا سید زوار حسین شاہ، زبدۃ الفقہ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی، طبع اول، ۲۰۰۷ء، ص ۳۴۔
۱۹۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن، ۱۹۹۵ء، جلد اول، ص ۲۳۱۔۲۳۲۔
۱۰۔ عبدالکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ، جلد دوم، ص ۲۰۰۔
۲۱۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد دوم، ص ۲۰۳۔
۲۲۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد دوم، ص ۲۱۱۔۲۱۲۔
۲۳۔ عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، جلد پنجم، ص ۷۳۶۔
۲۴۔ عروۃ الوثقیٰ، جلد پنجم، ص ۷۳۹۔

قرآن اور اہلِ کتاب

☆ حکایت ☆ عبرت ☆ نصیحت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

صفحات: ۳۰۴ || قیمت =/۱۶۰ روپے

تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحیؒ/ مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳-۲۴/ فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب و سیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو قوم و ملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کی تعیین میں ممدّ و معاون ثابت ہوگی۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

سماعِ موتی[۱]۔ایک علمی بحث

—————— پروفیسر محمد سلیم قاسمی

مردے سنتے ہیں یا نہیں ؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کے درمیان متضاد آراء پائی جاتی ہیں ۔ایک رائے یہ ہے کہ مردے زندہ لوگوں کا کلام نہیں سنتے ۔ یہ رائے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوردوسرے اصحابِ رسول ﷺ کی ہے ۔ یہی رائے جمہور فقہاء اوراکثر علماء احناف اورموجودہ علمائے عرب کی ہے۔علماء احناف میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ، علامہ مرغینانیؒ (صاحب الہدایۃ)، علامہ ابن عابدینؒ (صاحب رد المحتار علی الدرالمختار) ، علامہ ابن الہمامؒ (صاحب فتح القدیر)، ابن نجیم مکیؒ ، حصکفیؒ اورطحطاویؒ وغیرہ کی ہے۔اسی طرح مالکیہ میں المازریؒ، الباجیؒ، قاضی عیاضؒ، حنابلہ میں حافظ ابن رجبؒ اور قاضی ابویعلیٰؒ اورعصر حاضر کے علمائے عرب میں سے شیخ عثیمینؒ، ابن بازؒ اورعلامہ البانیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل آیات ہیں:

۱۔ **اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ** (النمل:۸۰) ’’بے شک آپ مردوں کونہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو، جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جارہے ہوں۔‘‘

۲۔ **ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَہُ الۡمُلۡکُ ؕ وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ؕ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ ۚ وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ** (الفاطر: ۱۳۔۱۴) ’’اللہ ہی تمھارا رب ہے،اسی کی بادشاہت ہے۔اس کے سوا جنھیں تم پکارتے ہووہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ۔ اگر تم ان کو پکاروتو وہ تمھاری پکار کونہیں سنتے اوراگر وہ سن بھی لیں تو وہ جواب نہیں دے سکتے۔‘‘

۳۔وَالَّذِیْنَ یَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰہِ لاَ یَخْلُقُونَ شَیْئاً وَھُمْ یُخْلَقُونَ. أَمْوَاتٌ غَیْرُ أَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُونَ أَیَّانَ یُبْعَثُونَ(النحل:۲۰۔۲۱)''اللہ کے سوا جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدانہیں کرسکتے، بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں،وہ مردہ ہیں ان میں حیات نہیں۔انھیں یہ تک نہیں معلوم کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

۴۔إِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُونَ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ ثُمَّ إِلَیْہِ یُرْجَعُونَ (الانعام:۳۶)''جواب وہی دیتے ہیں جو سنتے ہیں اورمردوں کوتو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت زندہ کرے گا، پھروہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

مؤخرالذکر آیت کی شرح میں امام ابن جریرطبریؒ اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں: فجعلھم تعالیٰ ذکرہ فی عدد الموتٰی الذین لایسمعون صوتاً ولایعقلون دعاءً ولایفقھون قولاً[۱](اللہ نے کافروں کومردوں میں شامل کیا ہے جونہ کسی آوازکوسن سکتے ہیں،نہ کسی پکارکوسمجھ سکتے ہیں اورنہ انھیں کسی بات کاشعور ہے)۔

آیت: إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَیٰ (النمل:۸۰)(تم مردوں کونہیں سناسکتے) کےتحت مولانارشیداحمدگنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:واستدلّ المنکرون (لسماع الموتٰی)ومنھم عائشةؓ وابن عباسؓ ومنھم الامام (أبوحنیفة) بقولہ تعالی إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَیٰ فانہ لماشبّہ الکفار بالأموات فی عدم سماع، علم أنّ الأموات لایسمعون والا لم یصحّ التشبیہ[۲](جولوگ مردوں کے سننے کاانکارکرتے ہیں ان میں سیدہ عائشہؓ،سیدنا ابن عباسؓ، اورامام ابوحنیفہؒ شامل ہیں۔ان کی دلیلِ فرمان باری تعالیٰ ہے: اِنَّکَ لَا تُسمِعُ المَوتٰی (اے نبی! آپ مردوں کونہیں سناسکتے)۔آیت میں اللہ تعالی نے کفارکونہ سن سکنے میں مردوں سےتشبیہ دی ہے،لہٰذا معلوم ہواکہ مردے نہیں سنتے، ورنہ مردوں سےتشبیہ دیناہی درست نہ ہوتا)۔

مسعود بن عمرتفتازانی ماتریدیؒ (م۷۹۳ھ) لکھتے ہیں:وأماقولہ تعالیٰ: ''وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'' فتمثل بحال الکفرة بحال الموتی، ولانزاع في أن المیّت لایسمع[۳](فرمانِ الٰہی (آپ قبروالوں کونہیں سناسکتے) میں اللہ تعالی

نے کافروں کی حالت کو مردوں کی حالت سے تشبیہ دی ہے اوراس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مردے نہیں سنتے ۔)

شارح ہدایہ علامہ ابن الہمام حنفی (م ۸۶۱ھ) نے مذکورہ بالا دونوں آیات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: **فانها يفيد أن التحقيق عدم سماعهم ، فانه تعالىٰ شبّه الكفار بالموتىٰ ، الافادة تعذّر سماعهم وهو فرع عدم سماع الموتىٰ** ؎۴ (ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے قطعاً نہیں سن سکتے ۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے، تا کہ یہ بتایا جاسکے کہ وہ سن نہیں سکتے۔ کفار کا دین حق کی باتوں کو نہ سن سکنا عدم سماعِ موتی کی فرع ہے)۔

عدم سماع موتی پر درج ذیل احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔

حضرت طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے چوبیس (۲۴) مقتول سرداروں کو بدر کے ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ جنگ کے ختم ہونے کے تیسرے دن آپ ﷺ کنویں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تھے ۔ آپ کنویں کے کنارے کھڑے ہوکر قریش کے سرداروں میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں بن فلاں! کیا تمھارے حق میں یہ بہتر نہیں تھا کہ تم اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہمیں پوری طرح مل گیا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچ ہوتا دیکھ لیا؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ان جسموں سے باتیں کررہے ہیں جن میں روح نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں جو کہہ رہا ہوں اس کو تم ان کفار سے زیادہ نہیں سن سکتے۔'' ؎۵

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ مردے سنتے ہیں ، اسی لیے حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے کہا کہ حضور ان مردوں سے مخاطب ہیں جو بے جان ہیں ۔ جواب میں آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات کا انکار بھی نہیں فرمایا، یعنی یہ نہیں

کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ دوسرے یہ کہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل کی روایت میں مذکور ’الآن‘ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردے ہمہ وقت نہیں سنتے، جس طرح زندہ لوگ سنتے ہیں۔ اسی بنیاد پر علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں فرمایا ہے: **ففیہ تنبیہ قوی علی أن الأصل فی الموتیٰ أنہم لایسمعون**[۶] (اس روایت میں یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مردے اصلاً نہیں سنتے، اگر سنتے ہوتے تو الآن (اس وقت) کہنے کی کیا ضرورت تھی)۔

صحیح بخاری میں مزید ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ’’حضور کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کفار کو اب پتہ لگ گیا ہوگا کہ میں جو کہا کرتا تھا وہی حق تھا۔ پھر ام المؤمنین نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ** (النمل:۸۰) (تم اپنی بات مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جا رہے ہوں)[۷]

حضرت عائشہؓ ام المؤمنین کے فرمانے کا مطلب گویا ایسا ہی تھا جیسے کوئی کسی کو کسی کام سے منع کرے، لیکن وہ نہ مانے۔ نتیجہ میں اسے اس کی سزا مل جائے، یا نقصان پہنچ جائے تو اس کا خیرخواہ ضرور کہے گا کہ میں نے تمھیں اس کام سے پہلے ہی منع کیا تھا، گو کہ وہ آدمی مرا پڑا ہو۔ یہی چیز یہاں بھی ہے۔

مشہور تابعی امام قتادہ بن دعامہؒ (م۱۶۸ھ) نے ’قلیب بدر‘ والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: **أحیاھم اللّٰہ حتّی أسمعہم قولہ توبیخاً وتصغیراً ونقمۃً وحسرۃً وندماً**[۸] (اللہ نے انھیں زندہ کیا اور سنوایا حضور کے کلام کو، تاکہ ان کی تحقیر و تذلیل ہو اور انھیں اپنے کیے پر حسرت و ندامت ہو اور ان کی تکلیف میں اضافہ ہو)۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبداللہ بن بطالؒ (م۴۴۹ھ) فرماتے ہیں: ’’**وعلیٰ تأویل قتادۃ فقہاء الأمۃ وجماعۃ أہل السنۃ**‘‘[۹] (حضرت قتادہؒ کی رائے ہی فقہاء امت اور جماعت اہل السنۃ کی رائے ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبل از قیامت مردوں کا زندہ ہونا رسول اللہ ﷺ کا ایک

معجزہ تھا، معمول نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر صحابہ مردوں کے سننے کے قائل ہوتے تو حضرت قتادہؒ کو یہ وضاحت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے: **اذا کان الذی وقع حینئذٍ من خوارق عادۃ النبی ﷺ.** [۱۰] (یہ واقعہ آپ ﷺ کے خوارق عادت میں سے تھا، ورنہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔)

سماع موتیٰ کے قائلین

سماع موتیٰ کے سلسلہ میں دوسرے طبقے کی رائے یہ ہے کہ فی الجملہ یا اصولی طور پر وہ سنتے ہیں، تاہم تمام احوال میں ایسا نہیں ہوتا۔

یہ رائے علامہ ابن تیمیہؒ کی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے: مردے عموماً زندہ لوگوں کا کلام سنتے ہیں، لیکن دائماً نہیں۔ جس طرح زندہ لوگ عموماً اپنے مخاطب کا کلام سنتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ کسی عارض کی وجہ سے نہیں سن پاتے، اسی طرح مردے بھی بعض مرتبہ زندوں کا کلام نہیں سن پاتے۔ آیت: **إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى** میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ قبول و امتثال ہے، یعنی اللہ نے کافروں کو مردوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ وہ دین حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتے، گویا وہ جانور ہوں جو آواز تو سنتے ہیں، لیکن اس کا مطلب اور معنیٰ نہیں سمجھتے۔ لیکن جہاں تک میت کا سوال ہے تو وہ زندوں کا کلام سنتی ہے اور بعض مرتبہ وہ کلام بھی کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ہے کہ مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور اگر بد ہے تو کہتا ہے کہ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟ اسی طرح مردہ منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔[۱۱]

سماع موتیٰ کے قائلین اس دعا سے بھی استدلال کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے قبرستان میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب کوئی تم میں سے قبرستان میں داخل ہو تو کہے: **السلام علیکم دارَ قومٍ مؤمنین** ۔[۱۲]

راجح موقف

اس مسئلہ میں فریقِ اول کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے، جو عدم سماع موتیٰ کا

ہے، کیوں کہ وہ دلائل پر مبنی ہے، جب کہ دوسرا موقف استنباطی ہے، حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔

قبرستان کے مردوں پر حکمِ سلام سے سماع موتی پر استدلال کرنا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلام ایک دعا ہے۔ اس کے لیے مخاطب کا سننا ضروری نہیں۔ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ فرماتے ہیں: ''مردوں کو سلام کہنے کی مشروعیت سے سماع موتی پر استدلال درست نہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ تشہد میں بھی نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام یعنی **السلام علیک أیّها النبيّ ورحمة الله** کہا جاتا ہے، لیکن آپ سلام کو نہیں سنتے۔ اسی طرح قبرستان میں داخل ہونے والے شخص کا سلام بھی مردے نہیں سنتے، بلکہ وہاں سلام کرنے کا مطلب دعا ہوتا ہے کہ اللہ ان پر سلامتی نازل فرما۔''۱۳

تشہد اور خارج از تشہد پڑھا جانے والا درود صحیح حدیث کے مطابق آپؐ تک بذریعہ فرشتہ پہنچایا جاتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عام مسلمانوں پر بھیجا ہوا سلام براہ راست آپ تک پہنچ جائے۔ معلوم ہوا کہ قبر پر پڑھا جانے والا سلام انشائیہ ہے، جس کا مقصد صرف دعا ہوتا ہے، سنانا نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سیدنا عمر فاروقؓ نے حجر اسود سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا: **إنّي أعلَمُ أنّکَ حَجَرٌ لا تَضُرّ ولا تَنفَعُ، ولولا أنّي رأیت النبي ﷺ یقبّلک ماقبّلتک**۱۴ (میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا)۔ اس جگہ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدنا عمرؓ نے حجر اسود کو سنانے کے لیے یہ بات کہی تھی۔ معلوم ہوا کہ بسا اوقات خطاب سنانے کے لیے نہیں، بلکہ بیانِ حکم کے لیے ہوتا ہے۔

سماع موتی کو ثابت کرنے والے اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: ''میت کو جب اس کے اعزا و اقارب دفن کر کے واپس جانے لگتے ہیں تو وہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''۱۵

یہ بات صحیح ہے کہ مردہ کے اعزّا و اقارب دفن کے بعد جب قبرستان سے

واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، مگر نفسِ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مردے عموماً نہیں سنتے، ورنہ اگر وہ زندوں کے کلام کو ہمہ وقت سنتے ہوتے تو ذَهَبَ اَصْحَابَه / وتولّٰی عنه أصحابه (جب میت کو دفنانے کے بعد واپس جانے لگتے ہیں) کی قید لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ صورت آیت: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى (تم مردوں کو نہیں سنا سکتے) کے منافی نہیں، بلکہ ایک استثنائی ہے۔ علامہ عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے فرمایا: ''وفیه دلیل علی أن المیّت تعود الیه روحه لأجل السؤال، وأنه یسمع صوت نعال الأحیاء وهو فی السؤال [۱۶] (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی روح منکر ونکیر کے سوالوں کے جواب کے لیے لوٹائی جاتی ہے اور میت سوال کے وقت زندہ لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے)۔

اسی طرح شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ (م ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں: فهو وارد فی وقتٍ خاصٍ وهو انصراف المشیّعین بعد الدفن ۔[۱۷] (مردوں کا سننا ایک خاص وقت میں ہوتا ہے اور وہ دفن کرنے والوں کے لوٹنے کا وقت ہے۔)

مطلب یہ کہ قانون اور اصول تو یہی ہے کہ مردے زندوں کی بات نہیں سنتے، البتہ اس میں استثنا ہے کہ میت دفن کے بعد واپس ہونے والوں کے جوتوں کی چاپ سنتی ہے۔

شارح بخاری ابن التین مغربیؒ (۶۱۱ھ) سے حافظ ابن حجرؒ نے ان کا قول نقل کیا: انّ الموتٰی لایسمعون بلاشکٍ، لکن اذا أراد اللّٰه تعالٰی إسماع ما لیس من شأنه السماع لم یمتنع [۱۸] (مردے قطعاً نہیں سنتے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی چیز سنوانا چاہے جو وہ سن نہیں سکتا تو اس کے لیے کوئی چیز مانع نہیں)، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (الفاطر:۲۲) (آپ قبر میں دفن کسی مردے کو نہیں سنوا سکتے، لیکن اللہ جسے چاہے سنوا سکتا ہے)۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے وہ مواقع بیان فرما دیے ہیں کہ مردہ کن کن مواقع پر سنتا ہے۔

ائمہ احناف کا موقف

امام طحطاویؒ (م۱۲۳۱ھ) لکھتے ہیں: "قولہ 'أو کلّمتک' انّما تقیّد بالحیاۃ، لأن المقصود من الکلام الافہام، الموت ینافیہ لأن المیّت لایسمع ولایفھم. ۱۹ (کلام کا تعلق حیات سے ہے۔ اس لیے کہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے اور موت اس کے منافی ہے، اس لیے کہ میت نہ سنتی ہے نہ سمجھتی ہے)

علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے: اما الکلام فالمقصود منہ الافہام والموت ینافیہ. ۲۰ (کلام کا مطلب افہام ہوتا ہے، لیکن موت اس کے منافی ہے۔)

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: وأکثر مشایخنا علی أنّ المیّت لایسمع عندھم علی ما صرّحوا بہ في کتاب الایمان في باب الیمین بالضرب " لوحلف لا یکلّمہ فکلّمہ میتاً لایحنث"، لأنّھا تنعقد علی ماحیث یفھم، والمیّت لیس کذلک لعدم السماع. ۲۱ (ہمارے اکثر مشائخ کی رائے یہ ہے کہ میت نہیں سنتا، جیسا کہ کتاب الایمان، باب الیمین بالضرب میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص سے بات نہیں کرے گا، پھر اگر وہ اس کے مرنے کے بعد اس سے بات کرے تو حانث (قسم توڑنے والا) نہیں ہوگا، اس لیے کہ قسم اسی شخص پر منعقد ہوتی ہے جو عقل وفہم رکھتا ہو اور میت اس حالت میں نہیں ہوتی کہ وہ کچھ سمجھ سکے، اس لیے کہ وہ مردہ ہے، سن نہیں سکتی، اس لیے کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ قبر والوں کو تم سنا نہیں سکتے)۔

- ڈاکٹر شمس الدین الافغانیؒ (م۱۴۲۰ء) نے لکھا ہے: "امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو قبر کے پاس دیکھا تو کہا کہ کیوں ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو جواب نہیں دے سکتے۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (الفاطر:۲۲) (تم مردوں کو نہیں سنا سکتے)۔" ۲۲

علامہ عینیؒ نے میں متن 'کلّمتک تقیید بالحیاۃ' کی شرح کرتے ہوئے

فرمایا ہے: **والکلام الإفهام ، وأنّه یختصّ بالحیّ ۔**۲۳(کلام سے مراد افہام ہے، جو زندوں سے مخصوص ہے۔)

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے یہاں راجح موقف عدمِ سماعِ موتیٰ ہے۔اس سلسلے میں صاحبین (قاضی ابو یوسف اور امام محمد) سے بھی سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں کوئی روایت نہیں ہے اور نہ جمہور فقہاء کے نزدیک سماعتِ اہل قبور ثابت ہے، بلکہ اس کے برعکس عدم سماع کی بہت سی روایتیں جمہور فقہاء سے فقہ حنفی کی معتبر کتب میں منقول ہیں۔

تحقیق وتخریجِ روایات

سماع موتیٰ کے سلسلے میں درج ذیل روایات کی سندیں صحیح نہیں، لہٰذا اس مسئلہ میں ان سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

۱۔**ما من أحدٍ یمرّ بقبر فیه المومن کان یعرفه فی الدنیا فیسلّم علیه الّا عرفه وردّ علیه السلام** (کوئی بھی شخص جو اپنے مومن بھائی کی قبر سے گذرتا ہے، جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، جب یہ گذرنے والا اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔) اس روایت کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے التمہید والاستذکار میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ابن عساکرؒ نے اس روایت کو تاریخ دمشق میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کیا ہے۔ابن جوزیؒ نے اسے العلل المتناهية میں نقل کر کے فرمایا ہے: **هذاحدیث لایصح** (یہ حدیث صحیح نہیں ہے)۔

۲۔امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حاکم وبیہقی نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب احد سے واپس آئے تو حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے مزارات پر تشریف لے گئے اور فرمایا: ’’میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہو، پھر اپنے امتیوں، صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والوں کو حکم دیا کہ ان شہداء کرام کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو۔ اس

ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو شخص بھی قیامت تک انہیں سلام کرے گا یہ شہداء ان کا جواب دیں گے۔'' اس حدیث کے راوی محمد بن مخلد الرعینی الحمصی متروک الحدیث ہیں۔[۲۴]

۳۔امام مسلم نے نقل کیا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ جب قریب المرگ تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: اذ أنا مِتُّ فلا تصحبني نائحة ولا نار ۔(جب میں فوت ہوجاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ جائے اور نہ آگ میرے ہمراہ لے جائی جائے (یہ دورِ جاہلیت کی رسمیں تھیں)۔ جب مجھے قبر میں رکھ دو تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے، تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور پورے وثوق کے ساتھ اپنے رب کے بھیجے ہوئے ملائکہ کے سوالوں کا جواب دے سکوں۔[۲۵]

یہ حدیثِ رسول نہیں، بلکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی وصیت تھی۔ یہ کوئی حضورﷺ کا بتایا ہوا عمل نہیں، بلکہ صحابی کا اپنا خیال اور تدبیر تھی۔ یہ ویسا ہی خیال اور تدبیر تھی جیسے حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو تاکید کی تھی کہ جب مصر پہنچو تو ایک ہی دروازے سے مت داخل ہونا، بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُم مِّنَ اللّٰهِ مِن شَيْءٍ (یوسف: ۶۸) ''اللہ سے کوئی چیز کسی کو بے پرواہ نہیں کرسکتی۔'' لہٰذا جس طرح حضرت یعقوبؑ کی تدبیر مشیّت الٰہی کے مقابلے میں بے اثر ہونے کے باوجود شریعت کے منافی نہ تھی، بالکل یہی صورت حضرت عمرو بن العاصؓ کی تھی، جو انہوں نے محض اپنی دل جمعی کے واسطے بتائی تھی۔ یہ تدبیر کتاب وسنت کے منافی نہیں، تاہم یہ مطابق بھی نہ تھی۔ کیوں کہ اگر مطابق ہوتی تو اکیلے حضرت عمرو بن العاصؓ ہی کیوں، بہت سے صحابۂ کرام ایسی وصیتیں کر جاتے، بلکہ خود حضورﷺ نے جس طرح زُوْرُوْا مَوْتَاكُم (اپنے مردوں کی زیارت کرتے رہا کرو) ارشاد فرمایا، اسی طرح اس موانست کے لیے بھی ارشاد فرما دیتے۔

۴۔ابن ابی ملیکہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن ابوبکر

الصدیقؓ مقامِ حبشہ میں فوت ہوگئے تو انہیں وہاں سے مکہ مکرمہ لاکر دفن کیا گیا۔ جب عائشہؓ مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر تشریف لے گئیں۔ پہلے متمّم بن نویرہ کے دوشعر پڑھے (جو متمّم نے اپنے بھائی مالک کی وفات پر بہ طورِ مرثیہ کہے تھے)، پھر اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم، اگر میں اس وقت موجود ہوتی جب آپ کا انتقال ہوا تھا تو آپ وہیں دفن کیے جاتے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ اگر اس وقت میں وہاں ہوتی تو آج زیارت کو نہ آتی۔[۲۶]

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت اختیار کیا ہے، لیکن امام دار قطنیؒ نے کہا ہے: ابن جریج (عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج) بدترین مدلّس ہیں۔ ابن حجر نے انھیں مدلسین کی فہرست میں تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔[۲۷] اسی طرح ابوزرعہؒ نے اپنی کتاب 'مدلسین' میں کہا ہے: **وھو مکثر من التدلّس** (وہ بڑے مدلس ہیں)۔ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ امام مالک بن انسؒ نے انھیں 'حاطب لیل' (یعنی صحیح غلط سب جمع کر لینے والا) کہا ہے۔

۵۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب (اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد) اپنے گھر میں داخل ہوتی تو کپڑے مختصر کر دیتی، جیسے عورتیں گھروں میں کرتی ہیں اور کہتی کہ یہاں تو صرف میرے شوہر اور میرے والد ہیں، لیکن جب بعد میں وہاں عمرؓ مدفون ہوئے تو پورے کپڑوں میں داخل ہوتی، ان سے حیا کی وجہ سے۔[۲۸]

یہ روایت کتبِ صحاح میں موجود نہیں ہے، بلکہ مجمع الزوائد للہیثمی ۹/۳۰۳، شرح الصدر للسیوطی ۸/۲۹، مسند احمد، مسند الانصار، مستدرک حاکم، باب من کتاب الھجرۃ الاولی الی الحبشۃ، ابن ابی شیبہ، تاریخ المدینۃ اور الطبقات الکبری، ذکر موضع قبر الرسول میں مذکور ہے۔ مسند کو چھوڑ کر تمام کتب تیسرے اور چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ درایۃً یہ روایت واہیات میں سے ہے، اس لیے کہ اگر عمرؓ منوں مٹی کے نیچے سے اوپر دیکھ سکتے تو کپڑے اور لباس کیوں کر ان کے لیے مانع ہو سکتا تھا۔

حاصل یہ کہ اس بات کا کوئی صحیح ثبوت نہیں کہ مردے سنتے ہیں، بلکہ قرآن و حدیث سے اس خیال کی نفی ہوتی ہے،سوائے ان مواقع کے جہاں صحیح حدیث سے سماع ثابت ہے ۔دوسرے یہ کہ عالم برزخ زندہ لوگوں کے عالم سے الگ ہوتا ہے ۔اس کی ادنیٰ مثال خواب ہے۔ حالتِ خواب میں انسان کبھی اچھی اور کبھی بری چیزوں کو دیکھتا اورمحسوس کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے باتیں بھی کرتا ہے،کبھی ہنستا ہے،کبھی روتا ہے اور کبھی ڈر بھی جاتا ہے،لیکن خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھا ہوا انسان نہ اسے سن سکتا ہے اور نہ محسوس کرسکتا ہے۔اسی طرح فوت شدہ لوگ جو عالم دنیا سے نکل کر عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں، وہاں سے وہ زندہ لوگوں کی باتیں نہیں سن سکتے۔ موت وزندگی کے درمیان برزخ حائل ہوجاتا ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔(المؤمنون:۱۰۰)''اور آگے ان کے ایک پردہ ہوگا اس دن تک کے لیے جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔''

واضح رہے کہ زندہ لوگوں کے حالتِ خواب کو عرصۂ حیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں رہتے ہوئے جب کوئی انسان سوئے ہوئے شخص کی دورانِ خواب گفتگو اوراحساسات کو محسوس نہیں کرسکتا تو عرصۂ موت کی چیزوں کا ادراک کیسے کرسکتا ہے؟!

مرنے کے بعد دنیا سے انسانوں کا ہر طرح کا ناتا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے، سوائے اس کے جو حدیث صحیح میں وارد ہے: اذا مات ابن آدم انقطع عمله الامن ثلاثة : صدقة جارية أوعلم ينتفع به أوولد صالح يدعوا له.[۲۹] (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں،مگر تین :(۱) صدقہ جاریہ،یعنی مرنے والے نے مسجد ومدرسہ وغیرہ تعمیر کیا ہو۔(۲) ایسا علم چھوڑا ہو جس سے لوگوں کو فائدہ ہو،مثلاً کوئی کتاب یا کوئی ایسا ہنر جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں ۔(۳) نیک اولاد، جو اس کے لیے دعا کرے۔)،یا دوسرے مؤمنین جو مرنے والے کے لیے دعا کریں تو اللہ عزوجل اسے مرحومین تک پہنچادیتا ہے،جیسے قرآن مجید میں ہے: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر:۱۰)(اور جو بعد میں

آنے والے ہیں وہ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ایمان والے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے گذر چکے۔) یا جیسے اولاد کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے دعا کرتے رہیں: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً (الاسراء :۲۴)۔ دعا میں خلوص کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ متعلقہ ارواح /افراد کو دعا وسلام کے نتائج حالتِ برزخ میں موصول کرادیتے ہیں، جس سے انھیں عذابِ قبر سے راحت ملتی ہے، یا ترقیٔ درجات کا ذریعہ بنتے ہیں، یا روزِ محشر اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ روزِ قیامت بندہ اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے پہاڑ دیکھ کر اللہ رب العزت سے گویا ہوگا: ''یا الہٰ العالمین! یہ نیکیاں کیسی ہیں؟ اللہ عزوجل فرمائے گا: ''یہ تمھاری اولاد کی دعائیں ہیں، جو وہ زندگی میں تمھارے لیے کرتے تھے۔''[۳۰]

مسئلہ سماع موتی پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''پکارنے والوں کی آواز مردوں تک پہنچتی ہی نہیں، نہ وہ خود اپنی کانوں سے سن سکتے ہیں، نہ کسی اور ذریعہ سے کہ دنیا میں انہیں کوئی پکار رہا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین جن وسیلوں سے دعائیں مانگتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک بے روح و بے عقل مخلوق (جیسے اصنام)، دوسرے وہ بزرگ جو گزر چکے ہیں، تیسرے وہ گم راہ انسان جو خود بگڑے ہوئے تھے اور دوسروں کو بھی بگاڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ پہلی قسم کے معبودوں کی اپنے عابدوں کی طرف سے بے خبری ظاہر ہے۔ رہے دوسری قسم کے معبود جو اللہ کے مقرب بندے تھے، ان کے بے خبر رہنے کی دو دجوہ ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ کے یہاں اس عالم میں ہیں جہاں انسانی آواز براہ راست ان تک نہیں پہنچتی، دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی ان تک یہ اطلاع نہیں پہنچاتے............تیسری قسم کے معبودوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان کے بھی بے خبر رہنے کی دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ وہ ملزموں کی حیثیت سے اللہ تعالی کی حوالات میں ہیں، جہاں دنیا کی کوئی آواز نہیں جاتی، دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی انہیں یہ اطلاع نہیں پہنچاتے۔ اس لیے کہ یہ خبر ان کے لیے مسرت کا ذریعہ ہوگی اور اللہ ان کو ہرگز خوش کرنا نہیں چاہتا، لیکن

اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کو دنیا والوں کے سلام اوران کی دعائے رحمت وغیرہ پہنچادیتاہے۔کیوں کہ یہ چیزیں ان کے لیے باعثِ فرحت ہوتی ہیں''۔(تفہیم القرآن، سورۂ احقاف،آیات ۵۔۶)

حیرت ہے کہ حنفی مسلک کے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کے یہاں سماع موتی کا عقیدہ نہایت مقبول ہے، جب کہ امام ابوحنیفہؒ سماعِ موتی کے خلاف تھے۔انہوں نے ایک شخص کوایک قبر پر صاحبِ قبرکوپکارتے دیکھا تو کہنے لگے:''تجھ پر پھٹکار ہواور ترے ہاتھ خاک آلود ہوں۔توایسے اجساد سے بات کررہاہے جو نہ آواز سن سکتے ہیں اورنہ جواب دے سکتے ہیں اورنہ ہی کچھ اختیار رکھتے ہیں۔پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی: وَمَاأَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (اورتم قبر میں دفن لوگوں کونہیں سنا سکتے)۔[۳۱]

حواشی ومراجع

۱۔ تفسیر جامع البیان، ابن جریر طبری، بیروت،۱۹۹۴ء، ۲۴۸/۳، آیت انما یستجیب الذین یسمعون،الانعام:۳۶

۲۔ الکوکب الدری علی شرح الترمذی،رشید احمد گنگوہی،مطبع ندوۃ العلماء لکھنؤ،۱۳۹۰ھ،۹۷/۲،باب مایقول الرجل اذادخل المقابر

۳۔ شرح المقاصد فی علم الکلام،سعدالدین مسعودتفتازانی،بیروت،۱۴۱۹ھ،۱۱۶/۵

۴۔ فتح القدیر،ابن الہمام الحنفی،بیروت ۱۴۲۴ھ،۱۰۶/۲،کتاب الصلاۃ،باب الجنائز

۵۔ صحیح بخاری،کتاب الجنائز،باب ماجاء فی عذاب القبر۔صحیح مسلم،باب صفۃ الجنۃ ونعیمھا،عرض مقعدالمیت۔

۶۔ الآیات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذہب الحنفیۃ السادات،علامہ آلوسی،المکتب الاسلامی ۱۳۹۹ھ،ص۲۴،الفصل الثانی فی عدم السماع

۷۔ صحیح بخاری،کتاب المغازی،باب قتل ابی جھل۔

۸۔ بخاری،کتاب المغازی،باب قتل ابی جہل۔

۹۔ شرح صحیح البخاری لابن بطال ۳۵۹/۳،کتاب الجنائز،باب ماجاء فی عذاب القبر،مکتبہ الرشد ریاض،۱۴۲۳ھ۔

۱۰۔ فتح الباری ۳۵۴/۷،کتاب المغازی،باب دعاء النبی ﷺ علی کفارقریش،حدیث نمبر:۳۹۸۱۔

۱۱۔ الفتاوی الکبری،علامہ ابن تیمیۃ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۴۰۸ھ،۶۲/۳۔کتاب الجنائز،

مسائلۃ ھل المیت یسمع کلام زائرہ،
۱۲۔ مسلم، کتاب الطھارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرّ ۃ والتحجیل فی الوضوء۔
۱۳۔ القول المفید علی کتاب التوحید، محمد بن صالح العثیمین ،، ۱/۲۹۰
۱۴۔ بخاری، کتاب الحج، باب ماذکرفی الحجر الاسود۔
۱۵۔ صحیح بخاری ، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال۔ مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار۔
۱۶۔ شرح ابی داوٗد، علامہ بدر الدین عینی، مکتبۃ الرشد، الریاض، ۱۹۹۹ھ باب المشی بین القبور فی النعل۔
۱۷۔ القول المفید علی کتاب التوحید، الشیخ محمد بن صالح العثیمین ، دار العاصمۃ سعودی عرب، ۱۴۲۴ھ ۱/۲۸۹، باب قول اللہ تعالی ایشرکون مالا یخلق شیئا وھم یخلقون
۱۸۔ فتح الباری، ۳/۲۳۵، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر ، رقم الحدیث: ۱۳۷۴۔
۱۹۔ حاشیہ علی الدر المختار، شرح تنویر الابصار ، احمد بن محمد الطحطاوی، ۵/۶۱۴، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک۔
۲۰۔ ردالمحتار علی الدر المختار، ابن عابدین الحنفی ، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک ۳/۸۳۶، مطلب فی اسماع المیت۔
۲۱۔ فتح القدیر، حاشیۃ الھدایہ، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز۔
۲۲۔ جھود علماء الحنفیۃ، ۲/۸۶۸، سعودی عرب، ۱۹۹۶ء۔
۲۳۔ رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق ، بدر الدین العینی ، ۱/۳۷، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک۔
۲۴۔ میزان الاعتدال ، علامہ ذہبی، حرف المیم ۶/۳۲۷، بیروت ۱۹۹۵ء۔ الکامل لابن عدی فی ضعفاء الرجال ۷/۳۴۱۷۔ ابن جوزی فی الضعفاء والمتر وکون۔
۲۵۔ صحیح مسلم ، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ وکذالھجر ۃ والحج۔
۲۶۔ ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور۔
۲۷۔ طبقات المدلسین ابن حجر، طبع عمان، ۱۴۰۳ھ، ۱/۴۱، رقم الترجمہ ۸۳/۔
۲۸۔ مسند احمد، تتمۃ مسند عائشہ، طبع بیروت، ۱۴۲۱ھ، ۴۲/۴۴۱
۲۹۔ مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ
۳۰۔ مسند احمد، باقی مسند المکثر ین، مسند ابی ھریرہ، ۲/۵۰۹۔
۳۱۔ جھود علماء الحنفیۃ ۲/۸۶۸، مطبوعہ: سعودی عرب، ۱۹۹۶ء

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

دو اہم مطبوعات

۱۔اسلامی معاشرہ کی خصوصیات مولانا کمال اختر قاسمی

اس کتاب میں تین ابواب ہیں: پہلا باب مغربی معاشرہ اور اس کے اثرات ونتائج پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں ہندوستانی سماج کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیسار باب اسلامی معاشرہ پر ہے۔اس میں اسلامہ معاشرہ کی تشکیلی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اوراس کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات:۲۰۸ قیمت:۱۵۵

۲۔توحیداور قیامِ عدل مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے،جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم،توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بےاعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے،جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے،انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدہ توحید سے محرومی اور شرک والحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ شامل ہے۔

صفحات:۹۲ قیمت:۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025
ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

تعارف وتبصرہ

قرآنی علوم کا ارتقاء عہد اسلامی کے ہندوستان میں   ظفر الاسلام اصلاحی

ناشر: براؤن پبلی کیشنز، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۲۰۲۲ء، صفحات: ۲۳۲، قیمت: ۲۵۰ روپے

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے فارغ التحصیل اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے فیض یافتہ ہیں۔ پھر وہیں کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں طویل عرصہ درس وتدریس کی خدمت انجام دے کر ۲۰۱۵ء میں سبک دوش ہوچکے ہیں۔ برصغیر کے عہد وسطیٰ کی تہذیبی، ثقافتی اور علمی تاریخ ان کی بحث وتحقیق کا خصوصی موضوع ہے۔ اپنی متعدد کتابوں میں انھوں نے اس عہد میں اسلامی علوم کا ارتقاء، اسلامی قوانین کی ترویج وتنفیذ، معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل اور سلاطین دہلی اور شریعت اسلامیہ وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔ چوں کہ مصنف نے اس عہد کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور عربی، اردو، انگریزی اور فارسی زبان پر یکساں قدرت کی وجہ سے اہم مصادر ان کی نگاہ میں ہیں، اس وجہ سے اس موضوع پر ان کی نگارشات کو اہل علم نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

زیر نظر کتاب میں عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں قرآنی علوم کے ارتقاء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بیش تر مباحث اس سے قبل ادارۂ علوم القرآن کے ترجمان شش ماہی علوم القرآن میں شائع ہوچکے ہیں۔ نظر ثانی اور حذف واضافہ کے بعد اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول کا عنوان ہے: 'علم قراءت کا ارتقاء عہد اسلامی کے ہندوستان میں'۔ اس میں علم قراءت کی اہمیت وفضیلت، اس کا فروغ، اولین مصنفین، ہندوستان میں اس کی ابتداء، عہدِ سلطنت میں علم قراءت کا ارتقاء، مکاتب ومدارس میں اس کی تعلیم وتربیت کا نظم، اس دور کے ماہرینِ قراءت، بعض علاقوں میں خواتین کے لیے حفظِ قرآن کا خصوصی نظم، علم قراءت کے فروغ میں تذکیری مجالس کا حصہ، صوفیہ ومشائخ کی تربیت گاہوں میں اس کی تعلیم وتمرین، اس کے اکتساب واشاعت میں سلاطین وامراء کی دل چسپی، عہد سلطنت کے آخری حصے میں

علمِ قراءت کی ترویج، عہد مغلیہ کے اولین حصہ میں علم قراءت کا فروغ، عہد اکبری، عہد شاہ جہانی اور عہدِ عالم گیری کے ممتاز قراء، عہد مغلیہ میں علم قراءت پر مؤلفہ کتب وغیرہ سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔

باب دوم 'کتابتِ قرآن عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں' کے عنوان سے ہے۔ اس میں تمہیدی گفتگو اور فن کتابت کے ارتقاء میں قرآن مجید کے کردار کا جائزہ پیش کرنے کے بعد فن خطاطی کی ترقی میں ہندوستان کے مسلم حکم رانوں کے حصہ کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں عہدِ سلطنت کے ہندوستان میں کتابتِ قرآن میں دل چسپی کے مظاہر، عہد مغلیہ میں کتابتِ قرآن کا فروغ، فن خطاطی اور کتابتِ قرآن میں مغل بادشاہوں اور دیگر آزاد حکم رانوں کی دل چسپی، مغل شہزادوں اور شہزادیوں کا قرآن کریم کی کتابت سے شغف جیسے ذیلی عناوین کے تحت گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد غزنوی دور، عہد سلطنت اور عہد مغلیہ کے معروف خطاط اور ممتاز کاتبین قرآن کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب سوم میں عہد اسلامی کے ہندوستان میں علمِ تفسیر کے ارتقاء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ابتداء میں عہد سلطنت میں قرآنی علوم سے بے توجہی سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے درسیات میں تفسیر کے مقام کی تعیین کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس عہد کے ماہرینِ درسِ تفسیر اور علمائے قرآنیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے عہد سلطنت میں مؤلفہ تیرہ (۱۳) تفسیری کتابوں کا بھی مختصراً تعارف پیش کیا ہے۔

باب چہارم عہد مغلیہ (بابر تا اکبر) میں ہندوستان کی تفسیری خدمات پر ہے۔ اس میں تفسیری درسیات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے عہد اکبری میں دینی علوم کی اشاعت کے خاص عوامل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد اس دور کے علمائے قرآنیات کی تفسیری خدمات کا مختصراً تذکرہ ہے۔ آخر میں 'علم تفسیر کے میدان میں عہد اکبری کی تصنیفی وتالیفی سرگرمیاں' کے ذیلی عنوان سے اس دور کی عربی، فارسی اور جزوی تفاسیر، نیز معروف تفاسیر وقرآنی کتب کے شروح وحواشی اور کتبِ اصول تفسیر کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں جہاں گیر، شاہ جہاں اور عالم گیر کے عہد میں ہندوستان میں قرآنی

علوم کے ارتقاء سے بحث کی گئی ہے۔اس میں مغل بادشاہوں کی قرآنیات میں دل چسپی کا جائزہ لیتے ہوئے کتبِ تفسیر کی تدریس میں مہارت رکھنے والے علماء اوراس دور میں مؤلفہ مکمل، نامکمل اور جزوی تفسیری کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں قدیم تفاسیر کی شروح وحواشی اورفن تفسیر، اصول تفسیر اور متعلقہ علوم پر مؤلفہ کتب کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب ششم میں عہد جہاں گیر کی اہم عربی تصنیف 'دستور المفسرین' (شیخ عبدالنبی شطاری) کا تعارف کرایا گیا ہے۔مصنف نے وضاحت کی ہے کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اصول تفسیر کے مختلف مسائل زیر بحث آئے ہوں گے،لیکن اس میں صرف ناسخ ومنسوخ سے بحث کی گئی ہے۔

باب ہفتم کا عنوان ہے:ہندوستان کے مسلم حکم رانوں اور ان کے وزراء، امراء و متعلقین کی قرآنی دل چسپیاں۔مصنف نے لکھا ہے:''اس باب کے مباحث کا بیش تر حصہ سابق ابواب میں مختلف مقامات پر بھی ملے گا،لیکن زیر بحث موضوع کی اہمیت کے پیش نظر انہیں اس باب میں علیٰحدہ مرتب کیا گیا ہے،تاکہ قارئین کرام کو ہندوستان کے مسلم حکم رانوں اوران کے متعلقین کی قرآنی دل چسپیوں پر یکجا مواد سے استفادہ میں آسانی ہو'۔(ص ۱۹۳)

پیش لفظ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے قلم سے ہے،جنھوں نے کتاب کی ستائش کی ہے ۔کتاب اپنے موضوع پر منفرد اور جامع ہے۔ مصنف کا یہ کہنا بجا ہے کہ معاصر مآخذ میں اس موضوع سے متعلق معلومات یکجا مرتب صورت میں بہت کم ملتی ہیں۔ اس کتاب کی حیثیت نقشِ اول کی ہے۔اسی نہج پر اس کام کو مزید آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

(ابوسعد اعظمی)

اہم عصری مسائل: تجزیہ اور حل — پروفیسر سید مسعود احمد

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۱۶، قیمت-/۱۵۰ روپے

زیر نظر کتاب حیاتیاتی کیمیا (Bio-chemistry) کے پروفیسر ڈاکٹر سید مسعود احمد کی قرآنی وسائنسی بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے عصری مسائل کے جو

تجزیے پیش کیے ہیں، وہ قرآن کے طلبہ واساتذہ کے لیے نئی جہات وابعاد پیش کرتے ہیں۔ درس وتدریس اور دیگر شعبہ جاتی مصروفیات اور ذمہ داریوں کے ساتھ قرآنی مباحث پر غور وخوض موصوف کا خاص وصف ہے، جس کا سلسلہ چار دہائیوں سے جاری ہے۔ قرآنی موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں 'عظمت واعجاز قرآنی کے عجیب وغریب پہلو' اور 'اصلاح وفساد اور عروج وزوال کا قرآنی تصور' اہم ہیں۔

اس کتاب میں جن مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے ان کے ذریعے فاضل مصنف نے متمدن دنیا کے حساس وبیدار مغز انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔ انھوں نے پہلے کارپردازانِ انسانیت سے چند سوالات کیے ہیں، پھر انہی کے جواب میں پوری کتاب تیار کی ہے۔ مثلاً وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا آج متمدن دنیا کی اکثریت شدید ذہنی تناؤ کا شکار نہیں ہے، جس کے نتیجے میں خودکشی کا گراف بڑھ گیا ہے؟ کیا تشدد اور جرائم کے واقعات نے معصوم بچوں اور بے گناہ لوگوں کا ناطقہ بند نہیں کردیا ہے؟ کیا انسانیت مُزمِن موت (Slowdeath) کا شکار نہیں ہورہی ہے؟ کیا طاقت ور اور ترقی یافتہ ممالک امن کے نام پر کم زور ممالک پر زبردستی جنگ مسلط کرکے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار رہے ہیں؟ کیا ترقی کے نام پر تنزلی نے اور صنعتی ترقی کے نتیجے میں عالمی ماحولیاتی بحران نے پورے کرۂ ارض کو اپنے شکنجے میں نہیں کس لیا ہے؟ کیا ہم سب اپنی جھوٹی ترقی کی قیمت پر خود اپنی اگلی نسلوں کو موت کے پروانے نہیں بانٹ رہے ہیں؟ کیا گلوبل وارمنگ پر مبنی موسمی تغیرات کی وجہ سے برپا ہونے والے طوفانوں اور سیلابوں نے ہم سب کو دہلا نہیں دیا ہے؟ ان سنجیدہ سوالات کا جب فاضل مصنف گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرتے اور ان کا جواب دیتے ہیں تو وہ ایک متبحر سائنس داں اور حاذق طبیب نظر آتے ہیں۔

یہ کتاب آٹھ (۸) ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کے درمیان ایک منطقی ترتیب وتدریج پائی جاتی ہے۔ ہر باب کا خاتمہ اگلے باب کو مہمیز فراہم کرتا ہے۔ مصنف ہر ختمِ باب پر سوالات کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں، جو اگلے باب کا پیش خیمہ بنتا چلا جاتا ہے۔

مصنف نے انتہائی دقیق سائنسی مسائل ومباحث کی بڑے دل نشین اسلوب میں تشریح کی ہے۔ کتاب میں جن مسائل سے بحث کی گئی ہے بالعموم سوشل سائنس میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا اور سائنس داں حضرات اگر ان کو موضوع بحث بناتے بھی ہیں تو

معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ مصنفِ کتاب نے جابجا باطل افکار اور انسان وفطرت دشمن نظریات پر چوٹیں کسی ہیں اور اپنے خیالات کا غیر مرعوبانہ اظہار کیا ہے۔

باب اول میں 'ذہنی تناؤ' سے بحث ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ آج کل مختلف اسباب سے دنیا کی بڑی آبادی ذہنی تناؤ میں مبتلا ہے۔ اس کی وجہ سے خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اعداد وشمار کی روشنی میں اس سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے اس پر قابو پانے کے طریقوں کی نشان دہی کی ہے۔

باب دوم 'تشدد اور جرائم کی کثرت' کے عنوان سے ہے۔ اس کے تحت جرم و تشدد کا بڑھتا رجحان، جرائم کی متنوع اقسام ومظاہر، بلند ترین شرح جرائم کے شکار دس عالمی ممالک، جرائم کے اسباب، انسداد جرائم کے ذرائع اور طریقے، جیسے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

باب سوم کا عنوان 'سکون قلب کا حصول' ہے۔ اس میں مصنف یہ بحث کی ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی ترقیات اور انسانوں کی خواہشات کی تکمیل کے باوجود انھیں سکون قلب کی نعمت میسر نہیں ہے۔ اس باب میں چارلس ڈارون (Charles Darwin)، سائمن فرائڈ (Sigmund Freud)، اور کارل مارکس (Karl Marx) کے نظریات کا رد عقلی دلائل سے کیا گیا ہے۔

باب چہارم میں پائیدار امن کے لیے اللہ پر ایمان کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے اور جدید سائنس سے مرعوب انسانوں کو دعوت غور وفکر دی گئی ہے۔ اس باب میں متعدد ایسے سائنس دانوں کے حوالے پیش کیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کی گواہی دے چکے ہیں، مثلاً ہربرٹ اسپینسر (Spencer)، لارڈ کلون (Lord Kelvin)، سر آئزک نیوٹن (Isaac Newton)، سرولیم سائمن (Siemens) اور ڈارون۔ ان سائنس دانوں کے اقوال معتبر حوالوں کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ باب پنجم میں قرآن کے تصور امن کی وضاحت کی گئی ہے۔

باب ششم ماحولیاتی بحران پر ہے۔ اس کے سلسلے میں مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ دور جدید کا واحد عالمی مسئلہ ہے جس پر عالم انسانیت کے درمیان اتفاق رائے ہو چکا ہے اور جس کا تعلق فلسفۂ جدیدیت (Modernism) سے بھی ہے۔ ماحول، ماحولیاتی

بحران اور Ecology کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے مصنف نے ماحولیاتی بحران کے مظاہر پر روشنی ڈالی ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ اس بحران کا بنیادی سبب مادی ترقی کا وہ خدا بیزار اور فطرت دشمن ماڈل تھا جو سولہویں سترھویں صدیوں میں عقلیت پرست اور مذہب بیزار فلسفیوں وسائنس دانوں نے پیش کیا۔ جب تک اس بحران کے بنیادی اسباب نہ جان لیے جائیں اور اس کا پائیدار حل نہ تلاش کرلیا جائے، اس قت تک مطلوبہ ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔مزید برآں اس سنگین بحران کا حل اسلامی نظام حیات اور اسلامی اقدار پرعمل آوری میں ہے۔

اگلے دو ابواب (ہفتم اور ہشتم) دراصل باب ششم کا تکملہ ہیں۔ باب ہفتم میں مسلسل ترقی (Sutainable development) کا تعارف کرایا گیا ہے، جو ماحولیاتی ترقی کے لیے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے بیسویں صدی کی ساتویں دہائی سے لگا تار اٹھنے والی آواز ہے۔باب ہشتم میں پائیدار اور حقیقی ترقی: کیا اور کیسے؟ کو اہم عصری مسئلہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔مصنف اس کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ یہ باب ملحد سائنس داں اور ایسے مرعوب ذہنوں کے تناظر میں حقیقی ترقی کی حقیقت واشگاف کرتا ہے جن کو علم اور العلم اور سائنس کا فرق بھی بتانا ضروری ہے اور اسلام اور حقیقی ترقی کا راست تعلق بھی۔

خلاصہ یہ کہ کتاب کے جملہ مباحث اوریجنل ہیں۔اس کی سطح خالص علمی وفکری ہے۔ مسائل کے ضمن میں جن امور کو شامل کیا گیا ہے وہ نئے اور اچھوتے ہیں، جن پر اردو زبان میں بہت کم مواد ملتا ہے۔مصنف کے تجزیے مضبوط دلائل پرمبنی ہیں، جو معاصر افکار ونظریات پر ان کی قدرت ومہارت کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے مباحث جدید سائنس سے مرعوب لوگوں کو دعوتِ غوروفکر دینے والے ہیں۔ وہ غیر متعصب مؤرخین، فلاسفہ اور سائنس دانوں کی تحسین وتوقیر کرتے ہیں اور انھیں مستقبل کی امید قرار دیتے ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب سے سائنسی مباحث کو صحیح رُخ ملے گا اور ریسرچ کے طلبہ واساتذہ اسلامائزیشن آف نالج کی بحث کو آگے بڑھانے کے لیے اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(ضیاء الدین فلاحی)

بدھ ازم اور صابئین (عقائد، عبادات اور تعلیمات)   مصنف: ڈاکٹر محمد سہیل قاسمی

ناشر: نور پبلی کیشن، دریا گنج، نئی دہلی۔ صفحات، ۱۱۱، قیمت: ۲۰۰/-

بدھ ازم مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات ونظریات کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ یہ اولاً کوئی مذہب نہیں تھا، بلکہ نروان اور نجات (خواہش نفس پر کنٹرول) کے تصور پر مشتمل تھا۔ یہ اخلاقی ہدایات پر مشتمل گوتم بدھ کی وہ تعلیمات تھیں جو وہ اپنے پیروکاروں کو دیتے رہے۔ بعد میں اس نے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ صابئین کا تذکرہ قرآن مجید میں تین جگہ ہوا ہے۔ اس فرقے کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ زیر نظر کتاب انہی دونوں مذاہب کی تاریخ، عقائد اور تعلیمات وعبادات کے تعارف پر مشتمل ہے۔ مصنف ڈاکٹر محمد سہیل قاسمی ہیں، شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ یہ ان کی باقاعدہ پہلی تصنیف ہے۔

کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے: پہلے باب میں بدھ ازم کی تاریخ، عقائد، عبادات اور گوتم بدھ کی شخصیت زیر بحث آئی ہے۔ اس میں مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ موجودہ بدھ ازم پانچویں صدی قبل مسیح میں جنم لینے والے سدھارتھ گوتم بدھ کی تعلیمات اور افکار ونظریات پر مبنی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے بدھ ازم کی کتابیں، تیوہار، فرقے (ہنایاں، مہایان) اور عقائد پر کلام کیا ہے۔ نتیجۂ بحث یہ ہے کہ بدھ ازم میں خدا، حیات بعد الموت اور جنت ودوزخ کا تصور واضح نہیں ہے، تذکرہ بھی برائے نام ہی ملتا ہے۔

موجودہ بدھ ازم میں عبادات کے دو طریقے رائج ہیں: (۱) بودھ یا بودھی ستو کی مورتی کی تعظیم۔ (۲) روحانی تبادلہ۔ بدھ ازم سری لنکا، چین اور افغانستان وغیرہ میں پایا جاتا ہے، صرف تبت میں بدھ ازم کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل ہے۔ باب دوم صابئین سے متعلق ہے۔ اس میں صابئین کی لغوی تحقیق قرآن میں وارد صابئین کے الفاظ کا معنیٰ ومدلول، مفسرین کی آراء ذکر کی ہیں۔ صابئین سے متعلق مفسرین کی تین رائیں ہیں: اول یہ کہ ان لوگوں نے اپنا دین بالکل ترک کر دیا اور اب یہ کسی دین پر نہیں ہیں، اس لیے ان کے لیے صابی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ صبأ کے معنیٰ نکل جانا ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ

صابئین آسمانی کتاب کے متبعین ہیں اوران کا مذہب آسمانی ہے۔سوم یہ قدیم دین ہے، اس کے متبعین ایران ،روم اور ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ یہ حران میں رہنے والی قومِ ابراہیم ہے، جوتوحیداور رسالت کی قائل ہے۔یہ لوگ حضرت ادریسؑ کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں،افلاک وکواکب کی عبادت کرتے ہیں۔صابئین کے متعدد گروہ ہیں۔ان کے مذہبی شعائر مندی (جہاں پر مذہبی کتابیں رکھی ہوتی ہیں اوروہاں عبادات کی جاتی ہیں)، درفش ، مذہبی رہ نما'توطئہ'، ان کی مذہبی کتابیں تین طرح کی ہیں :المقدسہ والدینیۃ ، مجموعۃ الطقسیۃ (مذہبی رسومات وشعار)،اور مجموعہ العلمیۃ والمعرفۃ۔

مصنف نے نتیجۂ بحث میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ دورِ نبویؐ میں نواح عرب (عراق) میں ایک ایسی جماعت تھی جو یہودیت ونصرانیت اور مجوس سے الگ تھی اور حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ کی پیروتھی۔اس میں مصنف نے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی رائے کہ صابئین سے مراد بدھ ازم کے پیروکار ہیں، کی نفی میں مولانا فضل اللہؒ کو بہ طور دلیل پیش کیا ہے۔اسی کے ساتھ عبدالکریم شہرستانیؒ اور پروفیسر سعید احمد اکبرآبادیؒ کی رائے بھی نقل کی ہے۔مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم میں صابئین کے نام سے مستقلاً جس مذہب کا تذکرہ ہے، اسے عصر حاضر میں 'صابئین مندائین' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس وقت صابئین عراق، ایران، اردن، شام، آسٹریلیا اور برطانیہ میں پائے جاتے ہیں۔

کتاب اپنے موضوع کا جامع تعارف پیش کرتی ہے، البتہ چند چیزیں توجہ طلب ہیں۔بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے اس میں بدھ ازم اور صابئین کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہوگا اور ان کے اشتراکِ فکر وعمل کی بنیادیں بیان کی ہوں گی،لیکن مطالعہ سے اس کی نفی ہوتی ہے۔دوسری بات یہ کہ بدھ ازم کے تعارف میں ثانوی کتابوں پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے۔بہتر ہوتا ہے کہ اصلی مآخذ سے بحث کو مدلل کیا جاتا۔ صابئین پر مصنف نے اچھی بحث کی ہے،لیکن اس بحث میں برعکس رائے کے دلائل کا بھی ذکر ہونا چاہیے تھا۔کتاب میں تعارفی پہلو زیادہ غالب ہے اور تجزیہ وتنقید کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال یہ کتاب ادیان ومذاہب کی سیریز میں عمدہ اضافہ ہے۔اس سے بدھ ازم اور صابئین پر مختصر اور جامع معلومات حاصل ہوتی ہے۔

(محمد انس فلاحی مدنی)

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلیؒ کا حصہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، صفحات: ۳۰۳، قیمت: ۳۵۰

علامہ شبلی نعمانیؒ بیسویں صدی کی ان باکمال شخصیات میں سے ہیں جن کے علمی وادبی کارنامے اوراسلامی تاریخ، علم الکلام اور نصابیات کے میدان میں کی گئی کوششیں اجتہادی درجہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔تحریکِ ندوہ اور تحریکِ علی گڑھ ان کی ناقابلِ فراموش خدمات کے دونمایاں عناوین ہیں۔تحریک علی گڑھ کے چند برسوں بعد سرسید کی کوششوں سے ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۶ء میں 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کا قیام عمل میں آیا، جس کا مقصد ملک کے باشندوں میں علمی بیداری اوراپنے مذہبی اورتہذیبی ورثہ کے تحفظ کو یقینی بنانا تھا۔ابتدائی دور سے جن افراد نے اس کی کانفرنسوں میں حصہ لیا، علامہ شبلی نعمانیؒ کا نام ان میں سرفہرست ہے۔لیکن اب تک اس باب میں ان کی خدمات منتشر تھیں۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ' میں ان سے متعلق منتشر اور بکھری معلومات کو معتبر حوالوں کے ساتھ یکجا کردیا ہے۔کتاب کے نام سے بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس میں صرف علامہ شبلی کی خدمات کو جمع کیا گیا ہوگا، لیکن درحقیقت اس میں کانفرنس کی عہد بہ عہد پوری تاریخ موجود ہے۔

کتاب پر 'پیش لفظ' ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی کا ہے۔اس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ ڈاکٹر الیاس اعظمی نے اس کتاب میں تاریخ نویسی کے جدید اصولوں کوملحوظ رکھتے ہوئے بنیادی مآخذ کی روشنی میں اس تحریک کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔مزید انھوں نے کتاب کو 'سلسلۂ شبلی شناسی' قراردیا ہے۔فاضل مؤلف نے اپنے دیباچہ میں کتاب کا پس منظراور مختصراً ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کے کرداراورکئی اہم حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان کا یہ تأثر ہے کہ 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' سرسید کا عظیم کارنامہ ہے۔اس کے باجوداب تک اس پہلو سے سرسید کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ سرسیدؒ کے بعد بعض مواقع پر

علامہ شبلی کے ساتھ عدم رواداری کا مظاہرہ کیا گیا، جو تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔

کتاب میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چھبیس (۲۶) اجلاسوں کا تذکرہ ملتا ہے، جو ہندوستان کے مختلف شہروں میں ہوئے۔ ان میں سے بیش تر میں علامہ شبلی کی شرکت رہی۔ انھوں نے عام طور پر اپنے منظوم، فارسی وار دو قصیدوں کے ذریعے اجلاس میں موجود شرکاء کے سرد جذبات میں روح پھونکی۔ ایجوکیشنل کانفرس کے سفر میں ایک نازک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ خاطر خواہ فائدہ نظر نہ آنے کی وجہ سے سرسید بھی اس کو وقت اور پیسے کی بربادی تصور کرنے لگے تھے، ایسے موقع پر علامہ شبلی نے اپنی جذباتی اور فکر انگیز تقریر سے ان کو حوصلہ بخشا۔ مزید برآں اکثر وبیش تر اجلاسوں میں علامہ موصوف نے کسی موضوع پر عالمانہ ومحققانہ گفتگو کی، جو بعد میں ان کے مجموعۂ مقالات وخطبات کی زینت بنے۔ اس سے ان کی ملت اسلامیہ سے ہم دردی اور خیر خواہی کا پتہ چلتا ہے۔

اس کتاب میں اجلاسوں کی روداد اور علامہ شبلی کی حصہ داری کے تذکرہ کے ساتھ اجلاسوں کی اہم قراردادوں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی کتاب میں جن شخصیات کا نام آیا ہے، تعلیقات وحواشی میں ان کی مختصر سوانح اور موصوف سے ان کے روابط وغیرہ بھی درج ہیں، جو کتاب کی ایک اہم خصوصیت شمار کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص کے ضمن میں کئی اور لوگوں کے مختصر حالات مل جاتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کو سبب طوالت بھی کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر نام زبان زد عام وخاص ہیں۔

کتاب کے اخیر میں بطور ضمیمہ مولانا عرفات اعجاز اعظمی کا ایک اشاریہ بھی ہے، جس میں کتاب میں درج اشخاص، کتب ورسائل اور مقامات کے صفحات کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور اس میں علامہ شبلی کے کارناموں کو متفرق بنیادی مآخذ سے مرتب کرنا اور دل کش انداز میں پیش کرنا ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ایک بڑا اور لائق تحسین کام ہے۔ اس سے جہاں ان کی شبلی سے وابستگی کا اظہار ہوتا ہے، وہیں ہندوستانی مسلمانوں کی ماضی سے دل چسپی ووابستگی اور آئندہ نسلوں کو اس سے واقف کرانے کے جذبہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب نسل نو کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔ (محمد صادر ندوی)

رپورٹ سمینار

مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار وآثار

مولانا محمد صادر ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے زیر اہتمام ۱۸، ۱۹ر ستمبر ۲۰۲۲ء کو مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی کے کانفرنس ہال میں 'مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار وآثار' کے موضوع پر دو روزہ سمینار کا انعقاد ہوا، جس میں اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد نے شرکت کی۔ افتتاحی واختتامی اجلاسوں کے علاوہ پانچ اکیڈمک اجلاس ہوئے، جن میں ۵۰ سے زائد مقالات پیش کیے گئے۔

افتتاحی اجلاس

۱۸ ستمبر، صبح ساڑھے نو بجے، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی صدارت میں اجلاس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد ادارہ کے میڈیا انچارج محمد انصار اللہ نے ادارۂ تحقیق کا ورچوئل تعارف پیش کیا۔ کنوینر سمینار مولانا اشہد جمال ندوی نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ انھوں نے شرکائے سمینار کے استقبال کے ساتھ مولانا عمریؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سمینار کا مقصد واضح کیا کہ ''مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع اور مختلف الجہات ہے۔ ادارۂ تحقیق نے اپنا فریضہ سمجھا کہ وہ سنجیدہ غور وفکر کے عمل کا آغاز کرے اور شخصی خوبیوں اور کمالات کے اعتراف سے اوپر اٹھ کر افکار، آثار اور خدمات کے غیر جانب دارانہ تعارف وتجزیہ کی نئی طرح ڈالے، تاکہ مدلل مداحی کے لامتناہی سلسلے کو ایک بامقصد رخ دیا جاسکے۔'' جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ''نئی نسل کے لیے مولانا عمری کی زندگی کا ایک اہم سبق مقصدیت ہے اور مقصد کے لیے یکسوئی اور اس پر ارتکاز ہے۔ مولانا مرحوم نے اوائل عمر میں اپنے آپ کو تحریک اسلامی کے لیے وقف کردیا اور پھر اسی

مقصد کے لیے بہار وخزاں کے سارے موسم اور شب وروز کی ساری ساعتیں وقف کردیں۔ مطالعہ، علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف کی خاطر زندگی لگادینے کا جو فیصلہ انیس برس کی عمر میں کیا تھا، ۸۷ برس کی عمر میں بھی کبھی اس سے غافل نہیں ہوئے''۔ انھوں نے مولانا کی تصنیفی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان میں موضوعات کا تنوّع ہے۔ انہوں نے خاندان و خواتین سے لے کر حقوق انسانی تک اور معیشت وسیاست سے لے کر تعلق باللہ اور تطہیر قلب تک طرح طرح کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ آپ کی تصانیف میں زندہ موضوعات ہوتے ہیں، محض تحقیقی ذوق کی تسکین کبھی ان کے پیش نظر نہیں رہی، بلکہ انھوں نے با مقصد تحقیق کی آبیاری کی۔

کلیدی خطبہ کے بعد چار حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مہمان خصوصی مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے فرمایا: ''مولانا عمری علم وعمل اور سوز وساز کے جامع اور ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تصویر میرے ذہن ودماغ میں ایک مدبر، مفکر اور صاحب قلم سے زیادہ ایک صاحبِ فکرِ ارجمند اور دلِ دردمند کی تھی۔'' پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے کہا کہ مولانا کی تحریروں میں بزدلی اور تھڑ دِلا پن کے بجائے عزم وولولہ، ہمت اور حوصلہ ملتا ہے۔ مولانا اصغر علی امام مہدی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے سمینار کے انعقاد کی اس پہل کو قابلِ مبارک باد قرار دیا اور اچھی توقعات ظاہر کیں۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی نے واضح کیا کہ مولانا ابتدا ہی سے اپنی تحریروں کے ذریعہ عالمی سطح پر مشہور ہوگئے تھے۔ جناب انجینئر نسیم احمد خاں نے اپنی گفتگو میں مولانا عمریؒ کے عزم وحوصلہ کا ذکر کیا۔ اس اجلاس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا کاکا سعید عمری معتمد جامعہ دارالسلام عمرآباد، ڈاکٹر محمد منظور عالم چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی اور مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) کی طرف سے موصول ہونے والے پیغامات جناب ابوالاعلیٰ سید سبحانی نے پڑھ کر سنائے۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے مولانا

عمری کی علمی، تحریکی، دعوتی، دینی اور تصنیفی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ موصوف نے کہا کہ مولانا نے تحریکی، دینی اور دعوتی میدانوں میں بہت سرگرم زندگی گزاری۔ ان کے خطابات سے بہت سے لوگوں نے فیض اٹھایا ہے؛ لیکن ان کا اصل میدان کار تصنیف وتالیف تھا۔ یہ کتابیں انھوں نے کسی حجرہ میں گوشہ نشیں ہوکر نہیں، بلکہ دعوتی سرگرمیاں انجام دیتے ہوئے لکھی ہیں۔ مزید انھوں نے حوالوں کا اہتمام، موضوعات کا تنوع، اسلوب کی انفرادیت، طرز استدلال کی ندرت اور زبان وبیان کی شگفتگی کو مولانا عمری کی نمایاں تحریری خصوصیات قرار دیا۔ ساتھ ہی ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے استحکام کی بھرپور جدّ وجہد اور مجلّہ تحقیقات اسلامی کے اجرا اور نشو ونما کو مولانا کی دو ایسی خصوصیات قرار دیا جو انھیں دوسرے مصنفین سے ممتاز کرتی ہیں۔ اخیر میں ادارہ کے جوائنٹ سکریٹری انجینئر آفتاب حسن مظہری نے مہمانوں، مقالہ نگاروں اور شرکاء کے لیے کلماتِ تشکر پیش کیے۔

پہلا اکیڈمک اجلاس

یہ اجلاس پونے بارہ بجے شروع ہوا۔ اس کی صدارت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ نے فرمائی اور نظامت کی ذمہ داری جناب ابو الاعلیٰ سید سبحانی نے انجام دی۔ اس میں پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے 'مولانا سید جلال الدین عمریؒ - مربی ومرشد'، پروفیسر عبد العظیم اصلاحی نے 'مولانا عمری کی معاشی تحریریں - تدبیر منزل کا نمونہ'، جناب پرواز رحمانی نے 'جنھیں میں نے بقدرِ وسعتِ ساحل ہی دیکھا ہے'، ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی نے 'دعوتِ اسلام، مولانا عمری کی تحریروں کے آئینے میں' اور ڈاکٹر صفی اطہر نے 'ابّا جان کی گھریلو زندگی' کے عناوین پر مقالات پیش کیے۔ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ مولانا عمری اللہ کے ان خوش نصیب بندوں میں سے تھے جن کو اسلام کے بارے میں مکمل شرح صدر حاصل تھا۔ جن لوگوں نے مولانا کی تحریروں کو پڑھا ہے، ان کی گفتگو سنی ہے اور ان کے طرزِ استدلال کو دیکھا ہے، ان کو اس میں بالکل مبالغہ نہیں محسوس ہوگا۔ موصوف نے بتایا کہ میں اپنے دوستوں اور شاگردوں سے ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کے بارے میں شرح صدر حاصل کرنا ہے تو

پچھلے دور میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں اور موجودہ دور میں مولانا عمریؒ کی تحریروں کو ضرور پڑھیں۔

دوسرا اجلاس

یہ اجلاس شام تین بجے شروع ہوا۔ اس کی صدارت مولانا محمد فاروق خاں سابق صدر ادارۂ تحقیق نے فرمائی، جب کہ نظامت جناب معاذ رفعت نے کی۔ اس میں پروفیسر عبد الرحیم قدوائی، پروفیسر عبد المجید خاں، ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی اور پروفیسر کنور محمد یوسف امین کے مقالات بالترتیب 'مولانا سید جلال الدین عمریؒ - اسلام کے جدید اور متوازن شارح'، 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات - ایک تجزیاتی مطالعہ'، 'مولانا سید جلال الدین عمری، خدمت خلق کے حوالے سے' اور 'مولانا عمری کے دعوتی منہاج میں اسلام کے عالمی تہذیبی کردار کی نمائندگی' کے عناوین سے آن لائن پیش کیے گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ضیاء الدین ملک نے 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث - ایک مطالعہ'، ڈاکٹر وارث مظہری نے 'غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی اسلامی بنیادیں۔ مولانا عمری کے افکار کا مطالعہ'، مولانا محمد صادر رندوی نے 'مولانا عمری کی فقہی بصیرت - غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق کی روشنی میں'، ڈاکٹر اسامہ شعیب نے 'انسانی حقوق کے حوالے سے مولانا عمری کے افکار کا مطالعہ'، مولانا سالم برجیس ندوی نے 'اوراق سیرت - تعارف و تجزیہ' اور ڈاکٹر نعمان بدر فلاحی نے 'مولانا عمری - نوجوانوں کے درمیان' کے موضوعات پر مقالات پیش کیے۔ مولانا محمد فاروق خاں نے اپنے صدارتی کلمات میں مولانا عمری کی تحریک سے تاعمر وابستگی پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ان کی یہ استقامت بہت بڑی چیز ہے اور ان کے رسوخ علمی کی بھی دلیل ہے۔

متوازی اجلاس برائے خواتین

دوسرے اجلاس کے ساتھ مرکز جماعت کے میڈیا ہال میں خواتین کا ایک متوازی اجلاس ہوا، جس کی صدارت محترمہ عطیہ صدیقہ، سکریٹری شعبۂ خواتین، جماعت اسلامی ہند نے فرمائی اور نظامت کا فریضہ لبنیٰ خانم نے انجام دیا۔ اس میں ڈاکٹر نجم السحر نے 'مولانا عمری اور خواتین کے مسائل'، ثمینہ فلاحی نے 'مسلم عورت کے سلسلہ میں

مولانا عمری کے اہم افکار کا تعارف'، خان مبشرہ فردوس نے 'مولانا عمری حقوق نسواں کے محافظ'، خنساء سبحانی نے 'عائلی زندگی- مولانا عمری کے ارشادات کی روشنی میں'، ڈاکٹر فاطمہ تنویر نے 'مولانا عمری کی فکری کاوشیں خواتین کے لیے نایاب تحفہ'، عمارہ فردوس نے 'عائلی نظام۔ مولانا عمری کی تحریروں میں'، سعدیہ جبین نے 'مولانا عمری۔ ایک عظیم تحریکی رہ نما' اور عظمیٰ اوصاف نے 'مولانا جلال الدین عمری۔ ہمارے رہ نما' کے عناوین پر اپنے مقالات پیش کیے۔

تیسرا اجلاس

اس اجلاس کا آغاز بعد نماز مغرب ہوا۔ اس کی صدارت جناب ایس امین الحسن نائب امیر جماعت اسلامی ہند نے فرمائی اور نظامت ڈاکٹر رضوان احمد رفیق نے کی۔ اس میں پروفیسر محسن عثمانی نے 'مولانا سید جلال الدین عمری اور دعوتِ دین'، مولانا عبید اقبال عاصم نے 'ملی امور میں مولانا کی بصیرت'، ڈاکٹر تابش مہدی نے 'مولانا عمری ایک فقید المثال شخصیت'، ڈاکٹر محی الدین غازی 'معروف ومنکر جہت ساز اور انقلاب آفریں کتاب'، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے 'مولانا عمری کی غیر مطبوعہ تصانیف'، مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'خدمت خلق، مولانا کی تصانیف میں' اور مولانا محمد طارق بدایونی ندوی نے 'مولانا عمری کی تحریریں -وأعدّ والھم ما استطعتم من قوۃ کے حوالے سے' کے عناوین کے تحت مقالات پیش کیے۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کے مقالہ 'مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی تحریروں کے کچھ امتیازی پہلو' کا خلاصہ مولانا سالم برجیس ندوی نے پیش کیا، جب کہ مولانا محمد طاہر مدنی ناظم جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کا پیغام 'مولانا عمری - بحیثیت شیخ الجامعہ جامعۃ الفلاح' مولانا ذکی الرحمٰن غازی استاد جامعہ نے پڑھ کر سنایا۔ جناب ایس امین الحسن نے اپنے صدارتی کلمات میں پیش کردہ مقالات کی روشنی میں مولانا عمری کی زندگی کی تین جہات: مصنف، خطیب، قائد کی وضاحت کی ۔ تصنیفی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے ایک انٹرنیشنل تعزیتی نشست کے حوالہ سے بتایا کہ اس میں ایک بڑے محقق نے کہا تھا کہ ادارۂ تحقیق اور وہاں کے تربیت یافتہ محققین

کے ذریعہ Research Methodolgy کا ایک نیا طریقہ مولانا عمریؒ نے خود وضع فرمایا ہے اور آج کے دور میں دینی علوم وفنون میں تحقیق کے لیے ادارۂ تحقیق اپنے آپ میں ایک بنچ مارک (Benchmark) ہے۔ اسی طرح انھوں نے بحیثیت خطیب آپ کی شخصیت کے کئی اچھوتے پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے اندر Audience Analysis کی بھرپور صلاحیت موجود تھی۔

چوتھا اجلاس

اس اجلاس کا آغاز محترم ڈاکٹر حسن رضا چیرمین اسلامی اکیڈمی نئی دہلی کی صدارت اور جناب محمد اسعد فلاحی کی نظامت میں ہوا۔ اس میں پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی، ڈاکٹر الطاف احمد مالانی عمری اور ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی کے مقالات بالترتیب: 'مولانا عمری کا علمی و تحقیقی منہج، مطالعۂ قرآن-تجلیات قرآن کے حوالہ سے'، مولانا سید جلال الدین عمری کا قرآن مجید سے شغف' اور 'مولانا عمریؒ - روایت کے پاسدار اور محافظت کے نقیب' عناوین پر آن لائن پیش کیے گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر رضوان احمد رفیقی نے 'عالم اسلام میں مولانا عمری کا تعارف'، جناب اے یو آصف نے 'مولانا جلال الدین عمری اور میڈیا'، مولانا رفیق احمد سلفی نے مولانا عمری کی اہم تصنیف 'خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں' اور مولانا محفوظ الرحمٰن ندوی نے 'اسلام اور مشکلات حیات۔ ایک تعارف' کے عناوین پر اپنے مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر حسن رضا نے اپنے صدارتی کلمات میں مولانا عمریؒ کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اگرچہ کوئی نئی فکر نہیں پیش کی، لیکن مولانا مودودی اور دوسرے لوگوں کے انقلابی افکار ونظریات کو اس منظّم انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ خود ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم کے نثری سرمایے پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی نثر خطیبانہ نہیں، بلکہ علمی اور سادہ نثر ہے۔ ان کے الفاظ نپے تلے ہیں ہوتے ہیں۔ انھوں نے لفظ اور معنیٰ کے رشتہ کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔

پانچواں اجلاس

یہ اجلاس پروفیسر کنور محمد یوسف امین کی صدارت میں ہوا اور نظامت مولانا محمد

جرجیس کریمی نے کی۔ اس میں مولانا محمد کمال اختر قاسمی نے 'مولانا عمریؒ کی تصانیف میں اسلامی معاشرت - ایک جائزہ'، ڈاکٹر ندیم اشرف نے 'تیسیر القرآن کا مطالعہ مولانا سید جلال الدین عمری کے حوالہ سے'، ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی نے 'مولانا عمری کا اسلوبِ نگارش'، مولانا محمد انس مدنی نے 'دعوتِ دین - مولانا سید جلال الدین عمری کی تصانیف کے آئینے میں'، مولانا اشہد جمال ندوی نے 'مولانا عمریؒ کی دو امانتیں: ادارۂ تحقیق اور مجلّہ تحقیقات اسلامی' اور مولانا عبد الرب غنی نے 'کم زور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں۔ ایک مطالعہ' کے عناوین پر اپنے مقالات پیش کیے۔ پروفیسر یوسف امین نے صدارتی کلمات میں ارشاد فرمایا کہ مولانا عمری نے اپنی تحریروں کے ذریعہ سواد اعظم کی رائے میں پنہاں حکمتوں کو واضح کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمیں ان کی زندگی کے اس پہلو کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔

تاثراتی اجلاس

آخر میں ایک تأثراتی اجلاس بھی منعقد ہوا، جس کی صدارت جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند نے فرمائی۔ اس موقع پر پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی اور جناب عزیز محی الدین سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ صدارتی گفتگو کے بعد ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے کلماتِ تشکر پیش کیے اور مولانا اشہد جمال ندوی کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

قرارداد سمینار

سمینار کے اخیر میں ڈاکٹر محی الدین غازی نے قرارداد پیش کی، جسے حاضرین نے اتفاقِ رائے سے منظور کیا۔ وہ درج ذیل ہے:

۱۔ مولانا سید جلال الدین عمریؒ نے اپنی زندگی میں زمانے کے زندہ موضوعات پر بہت سے متنوع علمی، تصنیفی کام انجام دیے۔ بدلتے ہوئے زمانے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان کاموں کی بنیاد پر اگلے تصنیفی منصوبے تیار کیے جائیں اور انھیں پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، تاکہ تحقیق وتصنیف کا یہ سفر صحیح سمت میں جاری رہے۔

۲۔مولانا عمریؒ کی بعض گراں قدر کتابوں کا دنیا کی کچھ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے، تاہم بعض اہم کتابوں کا ترجمہ نہیں ہو سکا ہے۔اس کے لیے باقاعدہ ایک منصوبہ کے تحت اہل تر افراد کی خدمات حاصل کر کے مولانا کی منتخب کتابوں کا عربی اور انگریزی زبان میں ترجمہ کرایا جائے۔

۳۔مولانا عمری کی جو علمی تصانیف ابھی تک شائع نہیں ہوسکی ہیں، ان کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

۴۔ مولانا عمری کا خاص مشغلہ تصنیفی تربیت تھا۔ تصنیفی تربیت کے لیے اسکالرشپ جاری کی جائے اور مصنف گری کی کاوشوں کو اور زیادہ نتیجہ خیز بنایا جائے۔

۵۔ادارۂ تحقیق وتصنیف علی گڑھ کی تعمیر تشکیل میں مولانا نے عمر کا بڑا حصہ لگایا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ادارے میں کوئی ایک عمارت مولانا عمری کے نام سے معنون کی جائے۔

۶۔مولانا عمری مجلّہ تحقیقات اسلامی کے بانی مدیر تھے۔انہوں نے اس کے ذریعہ دینی موضوعات پر عصری اصول تحقیق کو برتنے کی ایک عمدہ روایت قائم کی تھی۔مولانا کی وفات کے بعد مجلّے کی علمی وتحقیقی روایت کو مزید آب وتاب کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

۷۔مولانا کی کتابوں کا ایک مکمل سیٹ ہندوستان کی اہم دینی جامعات کی لائبریریوں تک پہنچایا جائے۔

اس سمینار کے انعقاد میں مرکز جماعت اسلامی ہند کا قابل قدر تعاون رہا۔اس کے علاوہ جناب ابوالاعلیٰ سبحانی، جناب محمد اسعد فلاحی اور ادارۂ تحقیق کے تمام رفقاء وکارکنان کی مسلسل کوششوں سے پروگرام کے انعقاد میں بہت مدد ملی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔اس میں رفاہی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۱۱۰/روپے

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی (۸۵)

☆ یہ خبر علمی دنیا میں بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی مولانا سید جلال الدین عمریؒ ۲۶/اگست ۲۰۲۲ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا ادارۂ تحقیق کے بانیوں میں سے تھے۔ نوجوانی میں ہی وہ اس سے وابستہ ہو گئے تھے اور تادمِ واپسیں دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد تہتّر (۷۳) تک پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ ۲۸/اگست کو ادارہ میں مولانا عمریؒ کی وفات پر تعزیتی نشست منعقد ہوئی، جس میں ان کے احباب، شاگردوں، تحریکی رفقاء اور بہی خواہوں کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ پروفیسر کنور محمد یوسف امین، پروفیسر سید مسعود احمد، پروفیسر محمد ادریس، پروفیسر امان اللہ خاں، پروفیسر عبد العظیم اصلاحی، ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی، مولانا رفیق احمد سلفی، مولانا عبید اقبال عاصم، مولانا محمد جرجیس کریمی، ڈاکٹر بازغہ تبسم اور دیگر نے اپنے احساسات کا اظہار کیا۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی اور پروفیسر عبد الرحیم قدوائی نے اپنے تأثرات لکھ کر ارسال فرمائے، جنھیں سامعین کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا۔ صدارتی خطاب میں پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے کہا کہ مولانا زاہدِ شب بیدار بھی تھے اور علم و تحقیق کے شہ سوار بھی۔ ان کی زندگی سادگی کی اعلیٰ مثال ہے۔ وہ بہت ہی رقیق القلب تھے، جب نماز پڑھاتے تھے تو خود بھی روتے اور لوگوں کی آنکھیں بھی اشک بار ہو جاتی تھیں۔ اگر ان کی زندگی کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ **عاش حمیداً ومات سعیداً**۔ وہ نئی نسل میں علمی پختگی کے ساتھ خشیت وانابت الی اللہ بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ نظامت کے فرائض سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے انجام دیے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا نے دو امانتیں ہمارے سپرد کی ہیں: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی اور مجلّہ تحقیقات اسلامی۔ ہم سب ان کے امین ہیں، ہمیں ان کی حفاظت کرنی ہے۔

☆ ۵/جولائی کو ادارہ میں نئے اسکالرس کا انٹرویو ہوا۔ اس کے لیے ۵۷/ درخواستیں موصول ہوئیں۔ انٹرویو میں گیارہ طلبہ کو شریک کیا گیا، جن میں سے چھ طلبہ منتخب ہوئے۔ چار اسکالرس: محمد روید خان فلاحی (بدایوں)، عبد الرب غنی سلفی (سدھارتھ نگر)، پرویز احمد اثری (سدھارتھ نگر) اور سالم فاروق ندوی (مظفر نگر) نے ادارہ جوائن کر لیا

ہے۔انٹرویو پینل میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (نائب صدر ادارہ)، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (کارگزار صدر ادارہ) مولانا اشہد جمال ندوی، (سکریٹری ادارہ)،انجینئر نسیم احمد خاں (خازن ادارہ) شریک ہوئے۔

☆۱۸/ جولائی کو ادارہ میں ڈاکٹر شیخ فیاض الدین (شعبۂ فارمیسی، شاہ خالد یونی ورسٹی ،سعودی عرب) اور ڈاکٹر نور الحسن نوید قادری (شعبۂ کمپیوٹر، شاہ خالد یونی ورسٹی، سعودی عرب) تشریف لائے۔موقع کی مناسبت سے ادارہ کے رفقاء واسکالرس کے ساتھ ایک تعارفی نشست کانفرنس ہال میں منعقد ہوئی۔سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے مہمانوں کا استقبال کیا اور انہیں ادارہ کی علمی سرگرمیوں اور منصوبوں سے واقف کرایا۔مہمانوں نے ادارہ کی علمی خدمات کو سراہا اور خوشی کا اظہار کیا اور اسکالرس کو کسی ایک فن میں تخصص پیدا کرنے کی ترغیب دی۔نشست کا اختتام پروفیسر محمد ادریس کی دعا پر ہوا۔

☆۲۶/ جولائی کو پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی اسکالرس کی علمی رہ نمائی کے تشریف لائے اور'عربی تفاسیر سے استفادہ کے طریقہ کار' کے عنوان پر لیکچر دیا۔ پروفیسر موصوف نے مشہور عربی تفاسیر کے تعارف، منہج اور تفسیر قرآن کے اصول پر روشنی ڈالی۔

☆۹/اگست۲۰۲۲ء بروز منگل پروفیسر سید مسعود احمد کی صدارت میں ادارہ کی مجلسِ علمی کا اجلاس ہوا۔سکریٹری ادارہ نے ۲۰۲۳ء میں مجوزہ سمینار کے موضوع اور کنویز کے تعین کے لیے شرکاء سے آراء طلب کیں۔مجلس نے غور وفکر کے بعد چند موضوعات کو شارٹ لسٹ کیا۔اتفاق رائے سے جناب نسیم احمد خاں کنویز سمینار بنائے گئے۔سمینار فروری یا مارچ ۲۰۲۳ء ہوگا۔اجلاس میں محققین ادارہ کے مسودات پر ریفریز کے تعین،مسودات کی اشاعت کے لیے فنڈز کی فراہمی،لیکچرس سیریز اور توسیعی خطبات کے انعقاد پر بھی غور ہوا۔

☆۱۴/اگست ۲۰۲۲ء کو پروفیسر محمد ادریس کی صدارت میں ادارہ کے میڈیا سیل کمیٹی کی مشاورتی نشست ہوئی۔اس میں ادارہ کے یوٹیوب چینل پر معیاری اور مفید مواد نشر کرنے کے لیے منصوبہ بندی ہوئی۔ یومیہ نشر،مواد اور مضامین کے تنوع پر غور و خوض ہوا۔ نئے پروگراموں پر عمل آوری کے لیے مزید افرادی قوت کی ضرورت کا احساس ظاہر کیا گیا۔ڈاکٹر ملک رشید اور پروفیسر محمد ادریس نے اختتامی کلمات ارشاد فرمائے اور طے شدہ پروگراموں پر حسن وخوبی کے ساتھ عمل آوری کی توقع ظاہر کی۔

☆۲۲؍اگست ۲۰۲۲ء، اتوار، بعد نمازِ مغرب ادارہ میں پروفیسر ایاز احمد اصلاحی کی صدارت میں مولانا عمر اسلم اصلاحی (شیخ التفسیر مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ) نے توسیعی خطبہ دیا۔عنوان تھا: 'فساد فی الارض کے محرکات :قرآنی بیانیہ کے تناظر میں'۔آپ نے فساد فی الارض کے محرکات واسباب پر گفتگو کرتے ہوئے نفس کی پیروی، آباء واجداد اور قدیم رسوم ورواج کی اندھی تقلید، شراب وقمار کے بڑھتے رجحان کو فساد کے اہم محرکات قرار دیا۔مہمانِ خصوصی مولانا محمد طاہر مدنی نے اصلاح فی الارض کی تدابیر اور عملی اقدامات کی طرف توجہ دلائی۔اخیر میں صدر محترم نے کہا کہ لفظِ فساد معاشی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، علمی اور نیت کا فساد وغیرہ سب کو شامل ہے۔فساد کسی بھی قسم کا ہوسکتا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کی بات ہے تو اس میں فسادِ معاش پر زیادہ زور دیا گیا ہے، کیوں کہ ہر طرح کے فساد کا سِرا معاش سے جا کر جڑ جاتا ہے۔مولانا محمد جرجیس کریمی نے کلماتِ تشکر پیش کیے۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے کی۔

☆۳؍ستمبر کو پروفیسر عبد الرحیم قدوائی ،ڈائریکٹر خلیق احمد نظامی مرکز علوم قرآن کی دعوت پر ادارہ کا وفد مولانا محمد جرجیس کریمی کی سرپرستی میں مرکز گیا۔ پروفیسر محترم نے مرکز کے علمی منصوبوں اور خدمات کا تعارف کرایا اور ادارۂ تحقیق اور مرکز کے باہم علمی تعاون واشتراک پر زور دیا۔ ڈاکٹر اکرم ایوب نے مرکز کی لائبریری، کانفرنس ہال اور لیب وغیرہ کی وزٹ کرائی۔

☆۴؍ستمبر، اتوار، بعد نماز مغرب ادارہ میں 'تحقیق وتدوین کے میدان میں تحریک استشراق کے اثرات' کے موضوع پر ریسرچ اسکالرس سمینار کا انعقاد ہوا۔ اسکالرس نے مقالات پیش کیے۔مولانا محمد جرجیس کریمی نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ مستشرقین نے قرآن وحدیث کا مطالعہ محض اعتراضات کرنے کی غرض سے کیا ہے۔وہ نصوص کی غلط اور من مانی تاویلات کرتے ہیں۔ہمیں اس سے محتاط رہنا چاہیے۔ بسا اوقات ہم غیر شعوری طور پر ان کی فکر کی اشاعت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔عمدہ مقالہ کی پیش کش پر محمد صادر ندوی، عبد الرب غنی اور سالم فاروق ندوی کو بالترتیب اول، دوم اور سوم انعام سے نوازا گیا۔

☆۱۸۔۱۹۔ستمبر کو ادارۂ تحقیق کی جانب سے دو روزہ سمینار بہ عنوان 'مولانا سید جلال الدین عمری: افکار وآثار' مرکز جماعت اسلامی ہند کے کانفرنس ہال میں منعقد

ہوا۔ افتتاحی وتاثراتی اجلاس کے علاوہ پانچ سیشن ہوئے، جن میں ۵۳/ مقالات پیش کیے گئے۔افتتاحی اجلاس سے انجینئر سید سعادت اللہ حسینی، امیر جماعت اسلامی ہند، جناب ایس۔ امین الحسن ،نائب امیر جماعت اسلامی ہند،مولانا خلیل الرحمٰن سجادنعمانی ، ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی اور مولانا اصغرعلی امام مہدی نے خطاب کیا۔اس موقع پر کارگزار صدرِ ادارہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی مرتب کردہ کتاب 'مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی تصنیفات' کی رونمائی بھی کی گئی۔ مجموعۂ مقالات کی ترتیب وتہذیب جاری ہے۔ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گا۔

☆۲۸/ستمبر کو پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی ادارہ میں تشریف لائے۔اسکالرس سے ان کی علمی سرگرمیوں اور مفوّضہ مقالات کے بارے معلوم کیا۔علمی سوال و جواب کی اس نشست میں آپ نے متعدد اہم علمی امور کی طرف توجہ دلائی اور کتابوں کی طرف رہ نمائی کی۔ پروفیسر موصوف اسکالرس کی تربیت کے لیے ہر ماہ ایک دن خصوصی طور پر تشریف لاتے ہیں۔

☆۲۹/ستمبر کوادارہ میں پروفیسر مسعود عالم فلاحی (سابق وائس چانسلر،خواجہ معین الدین چشتی یونی ورسٹی لکھنؤ) تشریف لائے۔رفقاء ادارہ نے مہمان محترم کا استقبال کیا اور ادارہ کی زیارت کرائی۔ انھوں نے رفقاء کے ساتھ علمی امور پر تبادلۂ خیال کیا۔ مولانا محمد جرجیس کریمی نے موصوف کی خدمت میں ادارہ کی جانب سے کتابوں کا تحفہ پیش کیا۔انھوں نے ادارہ سے اپنے والہانہ تعلق کا ذکر کیا اوراس کی روز افزوں ترقی پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

☆۷/اکتوبر کوادارہ کی مجلس منتظمہ کا اجلاس منعقد ہوا۔اس میں متفقہ طور پر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کو ادارہ کا صدر اور سہ ماہی تحقیقات اسلامی کا مدیر منتخب کیا گیا۔دیگر عہدہ داروں کا بھی میقاتی انتخاب عمل میں آیا اور پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی کو نائب صدر، مولانا اشہد جمال ندوی کوسکریٹری اورانجینئر نسیم احمد خاں کو خازن باقی رکھا گیا۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۴۱، ۲۰۲۲ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
اسلام کا نظامِ شوریٰ (رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارک)	سید جلال الدین عمری	۱	۵۔۲۴
عدالتی فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳۔۱۴۰
دورخلفائے راشدین کا شورائی نظام	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۔۲۷۸
اسلام کا شورائی نظام۔ دورِ خلائے راشدین کے بعض اہم واقعات	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹۔۴۰۹
تحقیق وتنقید			
علم نجوم کی حقیقت	ڈاکٹر غلام قادر لون	۱	۲۵۔۴۳
وسیلہ کی شرعی حیثیت	پروفیسر محمد سلیم قاسمی	۱	۴۵۔۶۴
انگریزی کا اینگلو۔نارمن ادب	جناب زریاب احمد فلاحی	۲	۱۴۱۔۱۷۰
مغرب میں نکاح کی صورتیں اور اسلام کا تصور نکاح	مولانا کمال اختر قاسمی	۲	۱۷۱۔۱۹۳
ماحول کا تحفظ۔ اسلامی تناظر میں	جناب عبدالمنان چیمہ	۳	۲۷۹۔۲۹۹
اسلام اور گاندھی جی کے افکار۔ ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد اسامہ	۳	۳۰۱۔۳۲۳
عبداللہ یوسف علی کے گم راہ کن انگریزی ترجمۂ قرآن کے عواقب	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۴	۴۱۱۔۴۲۴
مغربی ممالک کا نظامِ طلاق	مولانا کمال اختر قاسمی	۴	۴۲۵۔۴۴۴
بحث ونظر			
اخلاقی اقدار کا تصور۔ فکرِ اقبال میں	ڈاکٹر فیاض احمد فاروق	۱	۶۵۔۸۳
قبولِ اسلام کا موجودہ رجحان اور اس کے اسباب	مولانا محمد انس مدنی	۱	۸۵۔۹۶
قرآنی قسموں کی حکمت	ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی	۲	۱۹۵۔۲۰۹
ظلم واستبداد کا خاتمہ۔ اسلام کا نقطۂ نظر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲	۲۱۱۔۲۲۸
اسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار اور جدید مطالعات	پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی	۳	۳۲۵۔۳۴۵
تفسیر عروۃ الوثقیٰ۔ مطالعہ وجائزہ	ڈاکٹر محمد زوہیب حنیف	۴	۴۴۵۔۴۶۱

سماعِ موتی۔ایک علمی بحث	پروفیسر محمد سلیم قاسمی	۴	۴۶۳_۴۷۷
سیر وسوانح			
علم قراءت میں قاری طاہر رحیمیؒ کی خدمات	جناب فضل الرحمٰن محمود	۱	۹۷_۱۱۱
مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور تفسیر ثنائی	حافظ محمد زوہیب حنیف	۲	۲۲۹_۲۴۰
نقد واستدراک			
قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم۔ چند تسامحات کا ازالہ	ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری	۳	۳۴۷_۳۶۸
رپورٹ سمینار			
قرآن اور سائنس: قُرب وبُعد کے پہلو اور باہم تعان کی راہیں	محمد صادر ندوی	۳	۳۶۹_۳۷۲
مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار وآثار	محمد صادر ندوی	۴	۴۸۹_۵۰۰
تعارف وتبصرہ			
صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	پروفیسر محمد یوسف امین	۱	۱۱۳_۱۱۷
نظریہ ارتقاء وتصور تخلیق۔عصری مباحث کا جائزہ	مولانا محمد انس مدنی	۲	۲۴۱_۲۴۳
اصلاح معاشرہ۔منصوبہ بند عصری طریقے	محمد صادر ندوی	۲	۲۴۴_۲۴۵
اوراقِ سیرت	پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی	۳	۳۷۳_۳۷۵
قرآنی علوم کا ارتقاء۔عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں	ڈاکٹر ابوسعد اعظمی	۴	۴۷۹_۴۸۱
اہم عصری مسائل۔تجزیہ اور حل	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	۴	۴۸۱_۴۸۴
بدھ ازم اور صائبین	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۴	۴۸۵_۴۸۶
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ	مولانا محمد صادر ندوی	۴	۴۸۷_۴۸۸
خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۸۲)	ادارہ	۱	۱۱۸_۱۲۰
" " (۸۳)	"	۲	۲۴۶_۲۴۸
" " (۸۴)	"	۳	۳۷۶_ x
" " (۸۵)	"	۴	۴۹۷_۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۴۱، ۲۰۲۲ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، ظفر الاسلام، پروفیسر	اوراقِ سیرت (تبصرہ)	۳	۳۷۳-۳۷۵
اعظمی، ابوسعد، ڈاکٹر	قرآنی علوم کا ارتقاء (تبصرہ)	۴	۴۷۹-۴۸۱
چیمہ، عبدالمنان	ماحول کا تحفظ۔ اسلامی تناظر میں	۳	۲۷۹-۲۹۹
حنیف، محمد زوہیب، ڈاکٹر	مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور تفسیر ثنائی	۲	۲۲۹-۲۴۰
،، ،،	تفسیر عروۃ الوثقیٰ۔ مطالعہ و جائزہ	۴	۴۴۵-۴۶۱
عمری، سید جلال الدین	اسلام کا شورائی نظام۔ دورِ خلفائے راشدین کے بعض واقعات	۴	۳۸۹-۴۰۹
،، ،،	اسلام کا نظامِ شوریٰ (رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارک)	۱	۵-۲۴
،، ،،	دور خلفائے راشدین کا شورائی نظام	۳	۲۶-۲۷۸
،، ،،	عدالتی فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت	۲	۱۳۳-۱۴۰
فاروق، فیاض احمد، ڈاکٹر	اخلاقی اقدار کا تصور۔ فکرِ اقبال میں	۱	۶۵-۸۳
فلاحی، زریاب احمد	انگریزی کا اینگلو۔ نارمن ادب	۲	۱۴۱-۱۷۰
فلاحی، عبیداللہ فہد، پروفیسر	اسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار اور جدید مطالعات	۳	۳۲۵-۳۴۵
فلاحی، ضیاء الدین	اہم عصری مسائل۔ تجزیہ اور حل (تبصرہ)	۴	۴۸۱-۴۸۴
کریمی، محمد جرجیس، مولانا	ظلم و استبداد کا خاتمہ۔ اسلام کا نقطہ نظر	۲	۲۱۱-۲۲۸
قادری، خورشید احمد، ڈاکٹر	قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم چند تسامحات کا ازالہ	۳	۳۴۷-۳۶۸
قاسمی، کمال اختر، مولانا	مغرب میں نکاح کی صورتیں اور اسلام کا تصور نکاح	۲	۱۷۱-۱۹۳
،، ،،	مغربی ممالک کا نظامِ طلاق	۴	۴۲۵-۴۴۴
قاسمی، محمد سعود عالم، پروفیسر	قرآنی قسموں کی حکمت	۲	۱۹۵-۲۰۹
قاسمی، محمد سلیم	سماعِ موتی۔ ایک علمی بحث	۴	۴۶۳-۴۷۷
،، ،،	وسیلہ کی شرعی حیثیت	۱	۴۵-۶۴
قدوائی، عبدالرحیم، پروفیسر	عبداللہ یوسف علی کے گم راہ کن انگریزی ترجمۂ قرآن کے عواقب	۴	۴۱۱-۴۲۴
لون، غلام قادر، ڈاکٹر	علم نجوم کی حقیقت	۱	۲۵-۴۳
محمد اسامہ، ڈاکٹر	اسلام اور گاندھی جی کے افکار ایک تجزیاتی مطالعہ	۳	۳۰۱-۳۲۳
محمود، فضل الرحمٰن	علم قراءت میں قاری طاہر رحیمیؒ کی خدمات	۱	۹۷-۱۱۱

مدنی، محمد انس فلاحی	قبولِ اسلام کا موجودہ رجحان اور اس کے اسباب	۱	۸۵-۹۶
" "	نظریہ ارتقاء وتصور تخلیق۔ عصری مباحث کا جائزہ (تبصرہ)	۲	۲۴۱-۲۴۳
" "	بدھ ازم اور صائبین (تبصرہ)	۴	۴۸۵-۴۸۶
ندوی، محمد صادر	اصلاح معاشرہ۔ منصوبند عصری طریقے (تبصرہ)	۲	۲۴۴-۲۴۵
"	قرآن اور سائنس: قرب وبعد کے پہلو (رپورٹ سمینار)	۳	۳۶۲-۳۷۲
"	مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ (تبصرہ)	۴	۴۸۷-۴۸۸
"	مولانا جلال الدین عمری: احوال وآثار (رپورٹ سمینار)	۴	۴۸-۵۰۰
یوسف امین، پروفیسر	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات (مولانا سید جلال الدین عمری)	۱	۱۱۳-۱۱۷

سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

کی قیمت میں اضافہ

سہ ماہی تحقیقات اسلامی کے زرتعاون میں پانچ برس سے کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں پرنٹنگ اور کاغذ کے مصارف بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ GST بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس بناپر اب اس کے زرِتعاون میں اضافہ ناگزیر ہوگیا ہے۔ امید ہے، تحقیقات اسلامی کے قارئین اسے خوش دلی سے برداشت کریں گے اور حسبِ سابق ہمیں ان کا قیمتی تعاون آئندہ بھی حاصل رہے گا۔ یہ بات کہنے میں کوئی تکلّف نہیں ہے کہ یہ علمی وتحقیقی مجلّہ صرف لاگت پر فراہم کیا جاتا ہے۔

اگلے شمارے سے زرتعاون حسب ذیل ہوگا:

زرتعاون فی شمارہ: ۷۵/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے

بیرون ملک: سالانہ انفرادی: ۱۰۰۰/روپے ادارے ۱۵۰۰/روپے

خصوصی رعایت:

☆ چار سال کے لیے زرتعاون (۱۲۰۰/روپے) جمع کرنے پر پانچ سال کے لیے اجرا۔

☆ **ایجنسی مالکان کے لیے کمیشن:** ۵ سے ۲۰/کاپیوں تک ۲۵/فی صد،

۲۰ سے زائد کاپیوں پر ۳۰/فی صد، ڈاک خرچ بذمہ ادارہ (منیجر)

مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار و آثار

(مجموعہ مقالات سمینار)

مرتب: اشہد رفیق ندوی

معاونین: محمد انس مدنی، محمد صادر ندوی

مولانا سید جلال الدین عمری کی وفات (۲۶/ اگست ۲۰۲۲ء) کے چند دنوں بعد ہی ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی گڑھ کی جانب سے ان پر دو روزہ سمینار ۱۸۔۱۹/ ستمبر ۲۰۲۲ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس میں پیش کردہ مقالات میں مولانا کی علمی، دینی، دعوتی اور تحریکی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی اہم تصانیف کا مطالعہ و جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے پچاس (۵۰) سے زائد منتخب مقالات کو اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔

اس مجموعے سے ان شاء اللہ مولانا کے افکار کو سمجھنے اور ان کی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ آئندہ ان پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بھی یہ مجموعہ مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

صفحات: ۵۸۰ || قیمت: ۶۰۰/ روپے

ملنے کے پتے

☆ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

☆ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 43 No.4

October - December 2022

Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Consultative System of Islam :Certain Important Events in the Times of Rightly Guided Caliphs** **5**

   Ml.Syed Jalaluddin Umari

2. **Over-reliance of Courts on Abdullah Yusuf Ali's Flawed English Translation and Commentary of the Qur'an** **27**

   Prof.Abdur Raheem Kidwai

3. **The System of Divorce in Western Countries** **41**

   Maulana Kamal Akhtar Qasmi

4. **Analytical Study of Tafseer Urwa-tul Wusqa** **61**

   Dr.Muhammad Zohaib Hanif

5. **Auditory Sensation of the Dead an Academic Discourse** **79**

   Prof. Muhammad Saleem Qasmi

6. **Book Reviews** **95**

7. **Seminar Report:**

   Ml.Syed Jalaluddin Umari : life and works **105**

8. **Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** **113**

Abstract of the Articles

The Consultative System of Islam
Certain Important Events in the Times of Rightly Guided Caliphs

Syed Jalaluddin Umari

Former President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

Five parts of Maulana Syed Jalaluddin Umari's article: "The Consultative System of Islam" have been published in earlier issues of Tahqeeqat-e-Islami. The sixth and last part thereof is being published here.

In this article, the Maulana, citing examples, says that the Rightly Guided Caliphs used to consult with the opinionated gentries. Among these examples, fight with those who refused to pay Zakat, deploying Usama's expedition, distribution of lands coming into possession of the Islamic army and nipping mischief and trouble in the bud are worth mentioning. The Maulana has also discussed that in an Islamic state, the ruleris neither dictatorial nor symbolic, rather it is his responsibility to take proper decisions as he deems fit and consult with opinionated people as and when required. In the end, the Maulana has also cited examples of seeking consultation about trifles like legitimacy of adhan, compilation of the Qur'an, penalty for drinking, adopting the title of Ameer al-Mumineen, salary of the caliph, liberation of slaves, beginning of the Hijri calendar, etc. Also, there are some examples of acting upon the advice of one single individual. All this proves that the Muslim rulers deemed it necessary to consult, keeping in view the emphasis the Qur'an and Sunnah have laid thereupon.

Over-reliance of Courts on Abdullah Yusuf Ali's Flawed English Translation and Commentary of the Qur'an

Prof.Abdur Raheem Kidwai
Hon.Director K.A.Nizami Centre of Qur'anic Studies
Aligarh Muslim University Aligarh
sulaim_05@yahoo.co.in

In their important judgments on Shah Bano (divorced Muslim women),Shayra Bano (triple talaq) and Hijab cases, Supreme Court and Karnataka HighCourt have relied on Abdullah Yusuf Ali's English translation and Commentary (1934 -1937) in interpreting Islam, the Qur'an and Shari'ah. The article presses home the fact that Ali's translation distorts the meaning and message of the Qur'an. It is not representative of the Muslim articles of faith. Ali was an Ismaili Dawoodi Bohra and his work reflects the beliefs of his Ismaili cult, which is contrary to the main stream Islam.

Courts should consult faithful, standard English translations of the Qur'an by Muslim scholars.

The System of Divorce in Western Countries

Maulana Kamal Akhtar Qasmi
Member, Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh
kamalakhtarq@gmail.com

This article analyses the state of divorce in western countries and throws light on its causes. The writer says that in the west divorce is pronounced either as punishment or as solution of the problem. If one of the spouses establishes physical relationship with any other man/woman, or indulges

in physical violence, or behave slanderously, the other can seek divorce. The article dwells in detail upon the stages one has to undergo while seeking divorce there. In the light of various survey reports, it also discusses the divorce rate in those countries and the causes of rising number of divorces. While mentioning in this regard western countries, especially France, Germany, America and the United Kingdom, their constitutions have also been referred to.

Analytical Study of Tafseer 'Urwa-Tul Wusqa'

Dr.Muhammad Zohaib Hanif
Specialist Islamiyat, Agha khan University Examinations, Karachi(Pakistan)
zaibizohaib26@gmail.com

Islam covers all aspects of life - social, political, economic and personal. It interprets and demonstrates practical solutions to problems. There are many famous personalities who left no stone unturned to work on Qur'anic tafsir. There are great personalities in the subcontinent who made continuous hard work to enhance positivity towards Islam. Maulana Abdul Karim Asri is one of them. He spent his whole life in the study of the Holy Qur'an and its interpretation. Although there are many aspects of his Tafsir Urwa-tul-Wusqa yet the main feature of this tafsir is Raai (opinion). The tafsir incorporates the ideology of Sir Syed Ahmad Khan and Ghulam Ahmed Pervez to blend traditional thought with modernisation. He demanded Muslim scholars to adopt a different route and think about the various issues in this way. Furthermore, the Maulana includes lughat, ahadith and opinion (Raai) in his tafsir. In this article some of the tafsiri characteristics of this tafsir has been discussed.

Auditory Sensation of the Dead
an Academic Discourse

Dr. Muhammad Saleem Qasmi
Professor, Department of Theology (Sunni),
Aligarh Muslim University, Aligarh
msaleem196330@gmail.com

There are contradictory opinions on whether or not the dead can hear. One opinion is that the dead do not hear the words of the living. This is the view of Hazrat Ayesha, Hazrat Ibn Abbas, Hazrat Ibn Masood and other Companions. A majority of jurisprudents and Hanafi Ulama and present Arab Ulama are also of the same opinion. Another opinion is that the dead, in essence or as a matter of principle, hear; however not in all conditions.

The writer has mentioned both the opinions and the names of proponents of those opinions, presented their respective arguments, judged them, and concluded the discussion,saying the Qur'an and Ahadith prove that the dead cannot hear save and except in cases authenticated by Sahih Ahadith. In the end, he has written that some Hanafi Ulama of later days believe that the dead can hear; but this is not true. And the Hanafi Ulama of early days also opine that the dead cannot hear.

BOOK REVIEWS

1. *Qurani Uloom ka irtiqa-Ahde Islami ke Hindostan me* (Development of Qur'an Studies during Islamic Periodin India), Dr. Zafarul Islam Islahi, Brown Publication, Aligarh, 2022, Pages:232,Price:IRs.250/-

Reviewed by Dr. Abu Sad Azmi

2. *Aham Asari Masail-Tajzia aur Hal* (Important Contemporary Issues : Analysis and Solution), Prof. Syed Masood Ahmad,MMI Publishers, New Delhi, 2020, Pages: 216, price :IRs.150/-

Reviewed by Dr. ZiauddinFalahi

3. *Buddhism aur Sayibeen* (Buddhism and the Sabians), Noor Publications, Daryagang, New Delhi, 2021, Pages:111, Price:IRs.200/-

Reviewed by Maulana Muhammad Anas Falahi Madani

4. *Muslim Educaional Confrence mein Allam Shibli ka Hissa* (The Role of Allama Shibli in Muslim Educational Conferenc), Dr. Muhammad Ilyas Azmi, Darul Musannifeen, Shibli Academy, Azamgarh,Pages:303,price:IRs.350/-

Reviewed by Maulana Mohd Sadir Nadvi

SEMINAR REPORT

Ml.Syed Jalaluddin Umari : Life and Works

3 نئی کتابیں

دین قائم کرنا فرض ہے ــــــــــ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

مولانا صدرالدین اصلاحی کی مشہور کتاب فریضۂ اقامت دین، اسلامی تحریکی لٹریچر کی اہم کتاب ہے، جس کا یہ آسان اڈیشن ہے۔ کتاب کو آسان کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ عبادت کا مطلب باقی رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

✱ سائز: $\frac{23X36}{16}$ ✱ صفحات: 144 ✱ قیمت: 150.00

معلمِ اخلاق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت ساز دعائیں ــــــــــ محی الدین غازی

اللہ کے رسول بہترین مربی اور معلم اخلاق تھے۔ شخصیت کی تعمیر اور ذات کی تربیت کے سلسلے میں آپ کا اسلوب ہر زمانے کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس کتاب میں مسنون دعاؤں کے کچھ نمونے ہیں۔ بعض دعائیں ایمان کو تازہ کرتی ہیں اور بعض دعائیں عمل پر ابھارتی ہیں۔ بعض دعائیں خوبیوں کی ترغیب دیتی ہیں اور بعض دعائیں برائیوں سے نفرت پیدا کرتی ہیں۔

✱ سائز: $\frac{23X36}{16}$ ✱ صفحات: 32 ✱ قیمت: 45.00

سائنس، سائنس پرستی اور اسلام ــــــــــ ڈاکٹر محمد رضوان

سائنس اور مذہب کے سماج پر پڑنے والے اثرات کے حوالے سے یہ کتاب اپنے موضوع پر کئی پہلوؤں سے منفرد ہے۔ اس سے علم و تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گے۔

✱ سائز: $\frac{23X36}{16}$ ✱ صفحات: 135 ✱ قیمت: 150.00

Contact No. : 7290092401, 7290092405 | WhatsApp: 7290092403

MMI PUBLISHERS — مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | **Web:** www.mmipublishers.net

Sub Depot | **Hyderabad :** 9966710339, 9491874087, 04066710339, 8520961476 | **Mumbai :** 9699167700
Goa : 9987196549 | **Bangalore :** 9036996740, 8884045708, 9964355678

R.No. 38933/81
October-December 2022

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	/۳۲۵
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	/۹۰
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	/۲۵
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	/۵۰
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	/۲۵۰
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	/۱۴۰
۷	معروف و منکر	/۱۸۵
۸	اسلام کی دعوت	/۲۲۵
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	/۱۸۵
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	/۱۰۰
۱۱	تہذیب و سیاست کی اسلامی قدریں	/۶۵
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	/۲۶۰
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	/۱۳۰
۱۴	عورت اور اسلام	• مجلد /۱۱۰ • عام /۶۰
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	/۱۰۵
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	/۴۲
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	/۲۴
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	/۲۵
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	/۵۵
۲۰	راہیں کھلتی ہیں	• مجلد /۱۴۰ • عام /۹۵
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	/۴۵
۲۲	اوراقِ سیرت	/۲۵۰
۲۳	خطبات پاکستان	/۱۰۰
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	/۵۲
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	/۴۰
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	/۴۵
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	/۱۴
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	/۱۶
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	/۱۱۰
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	/۴۵
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	/۱۶
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	/۱۶
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	/۴۳
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	/۱۸
۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	/۳۲
۳۶	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	/۳۵
۳۷	بچے اور اسلام	/۱۴
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	/۲۰
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	/۲۵
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	/۱۸
۴۱	سوئے حرم چلا	/۳۲
۴۲	دینی علوم کی تدریس	/۱۴

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۔ ۲۵